بانی: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور پاکستان

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

19/27

باسمہٖ سبحانہٗ

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

تو کہہ اے اللہ! بادشاہی کے مالک! جسے تُو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے ــــ جسے تُو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے تُو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے ــــ سب خوبی تیرے ہاتھ میں ہے۔ بیشک تُو ہر چیز پر قادر ہے ــــ آل عمران ع ۳ رکوع ۳

فی شمارہ ۴۰ پیسے

۴ ذیقعدہ سنہ ۱۳۹۳ھ
۳۰ نومبر سنہ ۱۹۷۳ء

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان غربی

جلد نمبر ــــ ۱۹
شمارہ نمبر ــــ ۲۷

مودودیت کے متعلق ایک خط کا جواب

از
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
امیر تحریک خدام اہلسنت
صوبہ پنجاب

نور پور نورنگا بہاولپور سے اسلامی لائبریری کے ناظم جناب محمد رشید احمد صاحب نورپوری نے قاضی صاحب کو "مودودی مذہب" وغیرہ کے بارے میں ایک خط لکھا تھا جس کا ان کو حسب ذیل جواب دیا گیا۔

جناب محترم: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

عنایت نامہ موصول ہوا۔ رمضان المبارک میں بیمار رہا ہوں ابھی تک صحت بحال نہیں ہوئی اس لیے جواب میں تاخیر ہو گئی ہے آپ نے جو سوالات لکھے ہیں گذشتہ سال بھی اس قسم کے سوالات پر مشتمل ایک خط آیا تھا جس کا جواب میں نے ارسال کر دیا تھا۔ خدا جانے وہ کیوں نہیں پہنچا۔ آپ نے لکھا ہے کہ یہ افواہ پھیلائی گئی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ "مودودی" "مذہب" لکھ کر جرم عظیم کیا ہے...... اور تمام گناہ ایک طرف اور یہ گناہ ایک طرف...... یہ کتاب مولانا مفتی محمود اور مولانا ہزاروی نے جبراً لکھوائی ہے۔ الخ

الجواب: (۱) یہ سب بہتانات ہیں۔ میری تصنیف "مودودی مذہب" اب بھی اشاعت پذیر ہے۔ انہی ایام میں بعض احباب کی فرمائش پر تیس عدد "مودودی مذہب" انگلینڈ بھیجے گئے ہیں اور یہ بھی بالکل بے بنیاد بات ہے کہ مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے یہ کتاب جبراً لکھوائی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کو اس تصنیف کا علم بھی طبع ہونے کے بعد ہوا ہوگا۔ مودودیت کے متعلق میرے موقف میں کوئی ادنیٰ لچک بھی پیدا نہیں ہوئی میں مودودی جماعت کو ملک وملت کے لیے ایک خطرناک فتنہ سمجھتا ہوں۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور میں میرا جو مضمون "مذہب اہل سنت کی حقانیت" قسط وار شائع ہوا ہے اس میں بھی مودودی نظریات کی تردید موجود ہے اور ہفت روزہ "ترجمان حق" بنوں کے عظیم مدنی نمبر کے لیے جو مضمون ارسال کیا ہے اس میں بھی مودودیت کی تردید کی گئی ہے۔

(۲) میرے متعلق جو یہ افواہ پھیلائی گئی ہے کہ میں نے مفتی محمد یوسف صاحب کے "علمی جائزہ" کے جواب میں "علمی محاسبہ" لکھ کر ضائع کر دیا ہے تو یہ بھی بہتان عظیم ہے۔ بفضلہ تعالیٰ "علمی محاسبہ" کی کتابت ہو چکی ہے اس کی تاخیر پہلے تو اس وجہ سے ہوئی کہ مفتی محمد یوسف صاحب نے میرے مضمون مندرجہ ہفت روزہ ترجمان الاسلام لاہور کا جواب بعنوان "یہ اتمام حجت کا آغاز ہے" ہفت روزہ آئین لاہور میں قسط وار شروع کر دیا تھا جس کی تکمیل کا میں نے انتظار کیا تاکہ جواب الجواب میں علمی محاسبہ کے ساتھ ہی شائع ہو جائے لیکن مفتی صاحب موصوف نے اس کو نا تمام ہی چھوڑ دیا۔ میں نے اس نامکمل مضمون کا جواب بھی بعنوان "ابطال حجت" لکھ دیا ہے جس میں مسئلہ عصمت انبیاء کی بحث کا تتمہ کچھ رہ گیا ہے جس کے متعلق ارادہ تھا کہ اس رمضان المبارک میں اس کی تکمیل کروں گا اور رمضان شریف کے بعد جلد ہی کتاب کی اشاعت ہو جائے گی۔ لیکن بیماری کی وجہ سے اپنا ارادہ پورا نہ کر سکا۔ اب صحت بحال ہونے پر انشاء اللہ اس کی تکمیل کی کوشش کروں گا۔ توفیق کار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

(۳) یہ بھی بالکل جھوٹ ہے کہ مولانا غلام غوث ہزاروی نے "اسلامی سوشلزم" پر ایک کتاب لکھی تھی۔ لیکن میری موجودگی میں حضرت درخواستی کے حکم پر اس کو ضائع کیا گیا۔ مولانا ہزاروی ایک متدین سنی حنفی عالم ہیں ان کی سیاسی رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن انگریزی استبداد کے دور سے لے کر اب تک انہوں نے حق کے لیے جو قربانیاں دی ہیں ان کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مودودی صاحب اور ان کی جماعت سے مولانا ہزاروی کا اختلاف صرف سیاسی نہیں بلکہ دینی اور شرعی ہے۔

(۴) آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ: میں نے کہا ہے کہ یہ جمعیت کانگرسیوں کی جماعت ہے اور یہ اب بھی دل سے پاکستان کو نہیں مانتی۔" تو یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اب پاکستان میں مسلم لیگ اور کانگرس کا کوئی سوال باقی نہیں رہا۔ اکابر دیوبند میں تقسیم ہند کے بارے میں اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ قیام پاکستان کے حق میں تھے اور شیخ العصر مرشدنا حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اس نظریہ سے اختلاف تھا لیکن جب پاکستان بن گیا تو حضرت مدنی وغیرہ اکابر علماء پاکستان کے استحکام کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ جمعیت علماء اسلام کے سابق امیر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بھی پاکستان کے استحکام کے لیے کوششیں فرماتے رہے ہیں۔ اور جمعیت علماء اسلام کے موجودہ امیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی بھی استحکام پاکستان کے حامی اور دعا گو ہیں۔

(۵) آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے کہا ہے کہ "نیشنل عوامی پارٹی میں سب غدار ہیں۔ اور پیپلز پارٹی میں سب کافر ہیں" تو یہ بھی بے بنیاد افواہ ہے نہ میں ولی خان اور ذوالفقار علی بھٹو کا مداح ہوں اور نہ ہی میں نے ان میں سے کسی کو کافر کہا ہے۔ البتہ نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ ولی خاں کی سیاسی پالیسی کو میں ملکی سالمیت کے لیے مضر سمجھتا ہوں۔ علاوہ ازیں جمعیت علماء اسلام کے مودودی جماعت کے ساتھ سیاسی اشتراک و اتحاد کو بھی میں صحیح نہیں سمجھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مودودی جماعت سوائے اپنے امام ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے کسی کی بھی وفادار نہیں مودودی صاحب نے انبیاء کرام علیہم السلام پر تنقید کی ہے اور عقیدہ عصمت انبیاء کو مجروح کیا ہے لیکن مودودی صاحب کے مقلدین کو اس سے کوئی تشویش نہیں ہوئی۔ "خلافت و ملوکیت" میں مودودی صاحب نے تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام حضرت امیر معاویہ اور فاتح مصر حضرت عمرو ابن العاص وغیرہ کی تنقیص و توہین کی ہے لیکن ان کے متبعین کو کوئی دکھ نہیں ہوا حالانکہ تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنتی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہونے کا اعلان کر دیا ہے اور حضرت عثمان تو خلیفہ برحق ہیں جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عثمان رض سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ حضرت عثمان رض داماد رسول ہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے بھی ان چھ جلیل القدر اصحاب میں سے ہیں جن کے نام حضرت فاروق اعظم رض نے پیش کیے تھے اور آخر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام نے حضرت عثمان رض کو خلیفہ منتخب کر لیا حضرت عثمان رض وہ صحابی ہیں جن کی وجہ سے بیعت رضوان کے تقریباً چودہ سو صحابہ کرام کو جنت اور رضائے خداوندی کی بشارت ملی خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رض خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رض اور خلیفہ چہارم شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رض کی نگاہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معزز و مکرم تھے۔ لیکن مودودی صاحب نے حضرت عثمان رض جیسی بلند مرتبہ شخصیت کو بھی معاف نہیں کیا تو ان کی نگاہ میں معاصر علماء کرام کی کیا حیثیت ہے اور ان کی جماعت کے نزدیک دور حاضر کی کسی مذہبی یا سیاسی پارٹی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ مودودی صاحب نے کسی متحدہ محاذ سے وفا نہیں کی۔ چنانچہ (الف) ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مودودی صاحب مجلس عمل میں شامل ہوئے لیکن جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو مودودی صاحب نے تحریک سے علیحدگی کا اعلان کر دیا اور جسٹس منیر کی تحقیقاتی عدالت میں بھی اس کے خلاف بیان دیدیا جس کی بنا پر مجاہد اعظم امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جیل سے رہائی کے بعد مودودی صاحب کو مباہلہ کا چیلنج دیا تھا۔

(ب) ایوبی حکومت کے خلاف جب آٹھ پارٹیوں کا متحدہ محاذ بنا تو گول میز کانفرنس اسلام آباد میں مودودی صاحب نے اسلامی مطالبہ کی بھی حمایت نہیں کی۔ چنانچہ گذشتہ ملکی الیکشن کے دوران روزنامہ مشرق کے سنڈے ایڈیشن میں مولانا مفتی محمود صاحب جنرل سیکرٹری جمعیت علماء اسلام وسابق وزیراعلیٰ صوبہ سرحد کا جو انٹرویو شائع ہوا تھا اس میں مفتی صاحب سے سوال کیا گیا کہ جماعت اسلامی اور دوسری اسلام پسند جماعتیں ملک میں اسلامی نظام کے حق میں ہیں آپ بھی یہی چاہتے ہیں پھر آپ ان جماعتوں سے تعاون کیوں نہیں کرتے۔ تو مفتی صاحب موصوف نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ:

جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے تو ہم اسے اسلام کے معاملہ میں مخلص نہیں سمجھتے۔ میرے پاس اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کے نمائندہ علماء کرام نے متفقہ طور پر اسلامی دستور کی تدوین کے لیے ۲۲ نکات وضع کیے تھے ان میں مولانا مودودی بھی شامل تھے۔ اور انہوں نے ۲۲ نکات پر اعتماد کا اظہار کیا تھا لیکن جب ایوب خاں نے گول میز کانفرنس بلائی

خدام الدین

۳۰ نومبر سنہ ۱۹۷۳ء

۴ ذیقعدہ سنہ ۱۳۹۳ھ

جلد ۱۹ شمارہ ۲۷

مندرجات

چیف ایڈیٹر

جانشین شیخ التفسیر

مولانا عبید اللہ انور

بین الاسلامی سربراہی کانفرنس

کیا اسلام کیلئے بھی کچھ ہوگا؟

عروس البلاد شہر لاہور میں مسلم سربراہان مملکت کی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ تاریخی نوعیت کی یہ عظیم الشان کانفرنس پنجاب اسمبلی ہال میں ماہ دسمبر کے کسی ہفتے منعقد ہوگی۔ مسلم سربراہوں اور ان کے ساتھ آنے والے مہمانوں کے شایان شان استقبال رہائش اور ٹرانسپورٹ وغیرہ کے وسیع انتظامات پر حکومت خاص توجہ دے رہی ہے۔ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے اور تمام مسلم مملکتوں کو اس میں شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے کئی ایک وفاقی وزراء ان دنوں بیرون ملک دورے پر ہیں۔ اس کانفرنس کے انعقاد کی تجویز حالیہ عرب اسرائیل جنگ کے موقعہ پر وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ایران ترکی اور سعودی عرب کے دورہ کے بعد منظر عام پر آئی تھی۔ ابھی تک کسی بھی مسلم حکومت نے اس سربراہی کانفرنس میں شرکت سے انکار نہیں کیا۔ اس لئے توقع کی جا رہی ہے کہ تقریباً پچیس سربراہ کانفرنس میں شریک ہوں گے۔

اس سے قطع نظر کہ اس وقت شرق اوسط میں "جنگ نہ امن" کی صورت حال قائم ہے۔ اسرائیل امریکی فینٹم طیاروں، ٹینکوں اور دیگر ہلاکت خیز اسلحہ کے نشہ میں سرشار ہے۔ بحیرہ روم میں امریکہ کا چھٹا جنگی بیڑہ دندناتا پھر رہا ہے۔ اور ہمارے عرب بھائیوں کو ہر طرح سے مرعوب کرنے کی کوششیں جاری ہیں اور اسرائیل کو پھر عریاں جارحیت کے بھرپور مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے تمام اسلامی سربراہوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیئے۔ ویسے بھی ایسی کانفرنسوں کی ضرورت ہے جو وقتاً فوقتاً منعقد ہوتی رہنی چاہیئیں۔ تاکہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں۔ وہ باہمی مسائل و مشکلات حل کرنے کے لئے مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں۔ اور باہم لڑنے جھگڑنے کے بجائے ایک دوسرے کے دکھ درد کا مداوا بن سکیں۔

جناب رسالتمآب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ اور آج بڑی طاقتیں جو کافر ہیں اور اسلام کی مخالفت میں تو مِلَّتٌ وَّاحِدَۃٌ ہیں لیکن اپنے اپنے مفادات کے لئے باہم ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ انہوں نے دنیا میں اپنی گروہ بندی کر رکھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ ہے کہ ہر چھوٹا ملک اس کے گھڑے کی مچھلی بن جائے۔ اسی طرح انہوں نے عرب و عجم کے اسلامی ممالک کو اپنے سامراجی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے بعض مسلمان مملکتیں بھی ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کو ماننے کے باوجود باہم دست و گریباں رہتی ہیں۔ اور اپنی صلاحیتوں کو مشترکہ دشمن کے خلاف بروئے کار لانے کے بجائے اپنے ہی دوسرے بھائی کو نیچا دکھانے پر صرف کرتی ہیں۔ یہ دکھ بھری کیفیت اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ ہم نے اسلام پر عمل پیرا ہونے کو اپنا ملی اور اجتماعی فریضہ جاننے کے بجائے اپنا اپنا پرائیویٹ اور ذاتی معاملہ سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اسلام ایک ہمہ گیر نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے اور وہ اپنے دامن رحمت میں ولادت سے لے کر موت تک گھریلو، کاروباری، نظام مملکت اور معاملات حرب و ضرب تک کے لئے غیر متبدل اصول رکھتا ہے اور دنیا کے تمام لوگوں کو امن اور سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے۔

کیا پاکستان میں منعقد ہونے والی بین الاسلامی سربراہی کانفرنس سے یہ توقع وابستہ کرنی چاہیئے کہ وہاں خدائی دین کے بارے میں کوئی بات ہوگی، جس کے نام پر وہ منعقد ہو رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کانفرنس کے ایجنڈے کی سب سے پہلی شق اسلامی مملکتوں میں اسلامی قوانین کے عملی نفاذ و اجراء سے متعلق ہو۔ اس پر جو لوگ ناک بھوں چڑھائیں، اسلام کو ناقابل عمل قرار دیں یا بیشتر بدلنے کی کوشش کریں انہیں بخوشی تشریف لیجانے کی اجازت دے دینی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (اے گروہ مسلمین اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ) اور جو لوگ اسلام کے دائرہ عمل میں پہلا قدم رکھنے پر بھی آمادہ نہ ہوں، انہیں مسلمانوں کی ایسی مجلس میں بیٹھنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اور وہ ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کے سوا اور کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ اسلامی کانفرنس کا انعقاد لائق تحسین ہے۔ اللہ کرے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید نتائج برآمد ہوں۔ اور مسلم ممالک کے تمام سربراہ بڑی طاقتوں کی گروہ بندیوں سے اپنے اذہان کو آزاد کر کے مل بیٹھیں۔ عالم اسلام کے مشترکہ مسائل و مقاصد کے لئے اسلامی اصولوں کی روشنی میں کوئی مشترکہ لائحہ عمل وضع کریں اور خلوص نیت سے اس پر عمل کرنے کا عہد کریں۔

(وما علینا الا البلاغ)

۲۳ ۔ ۱۱ ۔ ۷۳

خواتینِ اسلام کے مجاہدانہ کارنامے

حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نجد کی رہنے والی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہ بوڑھی ہو چکی تھیں۔ اسلام کی خوبی سن کر اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں جب قادسیہ میں ایرانی کافروں سے جنگ ہوئی اس وقت حضرت خنساء کے چار بیٹے تھے۔ چاروں کو لے کر میدان میں آئیں اور بیٹوں کو سامنے بلا کر یہ تقریر فرمائی۔

"پیارے بیٹو! تم نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا اور پھر اپنی مرضی سے ہجرت کی۔ ورنہ تم اپنے ملک اور قوم کو بھاری نہ تھے نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا۔ باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو وطن کے اس دور دراز ملک میں لے آئے ہو۔ اور اب تمہاری بوڑھی ماں فارسیوں کے رحم و کرم پر رہ جائے گی۔ خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو اور میں نے تمہارے باپ سے خیانت نہ کی اور نہ تمہارے ماموں کو شرمسار کیا۔ بیٹا تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کافروں سے جہاد کرنے میں بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا و رابطوا" اس لیے میں تم سے کہتی ہوں کہ صبح اٹھتے ہی کافروں سے لڑنے کی تیاری کر لو اور آخر دم تک لڑو یا جان دے دو یا فتح کر لو۔"

بیٹوں نے بوڑھی ماں کی اس پرجوش تقریر کو سن کر صبح ہوتے ہی میدان کی طرف ایک ساتھ گھوڑوں کو دوڑایا اور نہایت ہی جوش سے شعر پڑھتے ہوئے دشمنوں کی طرف بڑھے اور دشمنوں کو مارتے ہوتے چاروں شہید ہو گئے۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو جب چاروں کا شہید ہو جانا معلوم ہوا تو خدا کا شکر ادا کیا اور کہنے لگیں۔ اے الٰہ العالمین! میں اس قابل نہیں تھی محض تو نے ہی اپنے فضل و کرم سے یہ دولت بخشی۔

حضرت ام حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ معزز خاتون ابوجہل کی بہو اور خالد بن ولید کی بھانجی ہیں۔ ان کی سسرال ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی دشمن تھی۔ ان کے خاوند عکرمہ بن ابوجہل بھی اپنی پوری طاقت اسلام کے مقابلے میں خرچ کر دی۔ جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ فتح کر لیا۔ اس وقت ان کا خاوند عکرمہ تو یمن بھاگ گیا اور ام حکیم حضور کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گئیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے خاوند کو سمجھانے اور مسلمان بنانے کے لیے یمن گئیں اور اپنے شوہر سے مل کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی خوبیوں کو سمجھاتی رہیں آخرکار اس مقدس خاتون کی تبلیغ سے اسلام کے سب سے بڑے دشمن کے بیٹے حضرت عکرمہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہونے کے بعد اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ نہایت جوش اور ہمت کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتے رہے۔ اور بڑی بہادری اور جواں مردی سے خدا کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں رومیوں سے جنگ ہوئی۔ حضرت عکرمہؓ اپنی بیوی ام حکیمؓ کو ساتھ لے کر ملک شام چلے گئے اور اجنادین کی جنگ میں بڑی بہادری سے لڑتے رہے آخر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

شوہر کے شہید ہو جانے سے حضرت ام حکیمؓ بیوہ ہو چکی تھیں۔ عدت کے بعد خالد ابن سعیدؓ سے انہوں نے دوسرا نکاح کیا۔ دلہن بنانے کی تیاریاں ہوئیں۔ چونکہ یہ نکاح ایسی جگہ ہوا تھا جو دمشق کے قریب تھا اور اس جگہ ہر وقت رومیوں کے حملے کا اندیشہ تھا۔ حضرت ام حکیمؓ نے حضرت خالدؓ سے کہلا بھیجا کہ ابھی توقف کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت رومیوں سے ہر وقت خطرہ لگا ہوا ہے اس خطرہ کے رفع ہو جانے کے بعد دیکھا جائے گا۔"

حضرت خالدؓ نے اس جواب میں کہلا بھیجا "کہ مجھے اسی جنگ میں اپنی شہادت کا یقین ہو چکا ہے۔" غرض ایک پل کے پاس ان کی رخصتی ہوئی، جو اب قنطرہ ام حکیمؓ کہلاتا ہے۔ صبح کو ولیمہ کی دعوت کھا کر لوگ فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی لشکر آ پہنچا اور اسی وقت دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت خالدؓ سب چھوڑ چھاڑ کر شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت ام حکیمؓ حالانکہ دلہن بنی ہوئی تھیں اور عروسی جوڑا ابھی بدن سے اتارا بھی نہ تھا۔ اسی حالت میں جب مسلمانوں کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا تو جوش کی وجہ سے ان سے نہ رہا گیا۔ فوراً اٹھیں۔ اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر بدن پر باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑی اور ہاتھ میں نیزہ لے کر کافروں پر اس زور سے حملہ کیا کہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس خاتون نے اسی نیزے سے سات کافروں کو قتل کیا تھا۔

حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا

انصاری خاندان سے تھیں اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ تھیں۔ مدینہ کے پاس ایک گاؤں جس کا نام قبا ہے اس میں رہتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کہ جب قبا میں جاتے تو ام حرامؓ کے گھر میں ٹھہرا کرتے۔ اور انہی کے گھر کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب حج کر کے تشریف لائے تو ایک دن حضرت ام حرامؓ کے یہاں آئے۔ انہوں نے کھانا کھایا اور کھانا کھانے کے بعد آپؐ لیٹ گئے اور آپؐ کو لیٹے لیٹے نیند آ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد آپؐ مسکراتے ہوئے جاگ اٹھے اور فرمایا "میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے۔"

"میری امت کے کچھ لوگ جہاد کے خیال سے سمندر میں سوار ہیں۔"

حضرت ام حرامؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! دعا کیجیے کہ میں بھی انہی آدمیوں کے ساتھ خدا کے راستے میں جہاد کے لیے نکلوں۔" آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور پھر سو گئے کچھ دیر بعد پھر آنکھ کھلی۔ اور مسکراتے ہوئے اٹھ کر پھر وہی فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری امت کے لوگ کافروں سے جہاد کرنے اور قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے سمندر میں جا رہے ہیں۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے بھی دعا فرمایئے کہ خدا مجھے توفیق دے کہ ان مردوں کے ساتھ ہو کر میں بھی خدا کے راستے میں جہاد کرنے کے لیے نکلوں۔" آپؐ نے فرمایا کہ تم پہلی جماعت کے ساتھ جاؤ گی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کی تعبیر ۲۸ھ میں پوری ہوئی۔ حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عمرؓ کی طرف سے شام کے حاکم تھے انہوں نے کئی مرتبہ حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ہم کو فرنگیوں کے جزیروں پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ میں اجازت نہیں دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ نے اجازت چاہی تو حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو اجازت دے دی۔

آیت کریمہ

حسب سابق ماہ ذیقعدہ کی پہلی جمعرات ۲۹ نومبر کو جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ، مجلس ذکر کے بعد آیت کریمہ کا ورد کرائیں گے شرکت کے لیے دعوت عام ہے۔ (ادارہ)

تخلیقِ کائنات میں فکر و تدبر

خطبہ جمعہ
۱۶ نومبر ۱۹۷۳ء

عقلمند! نظامِ کائنات میں غور و فکر سے اللہ تعالےٰ کی قدرت و عظمت و بزرگی کی معرفت حاصل کرتے ہیں

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

مرتب: عبدالرشید انصاری

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(سورہ آل عمران آیت ۱۹۰-۱۹۱)

ترجمہ۔ بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا تو سب عیبوں سے پاک ہے۔ سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

نظامِ کائنات میں غور و فکر اور اس کے مقاصد کی وضاحت اور تفصیل کے بارے میں قرآن و حدیث سے اَن گنت دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن سورہ آل عمران کی یہ آیتیں اس باب میں امتیازی شان رکھتی ہیں۔ ان آیات میں اس موضوع کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا گیا ہے۔

دنیا میں انسانی سوچ و فکر اور محنت سے جو چیزیں تیار کی جاتی ہیں اور نئی نئی ایجادات ہوتی ہیں۔ بنانے والوں کے سامنے ان سے کوئی نہ کوئی نفع اور فائدہ حاصل کرنا یا کسی نتیجہ اور فیصلہ پر پہنچنا مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور عقل و شعور کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ ہزاروں سال پیشتر اپنی ابتداء آفرینش سے لے کر آج تک تسخیرِ کائنات اور تعمیرِ کائنات میں بڑا منہمک اور مصروف ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی کوئی مشکل اور کوئی مسئلہ حل طلب نہ رہے وہ ترقی کے بامِ عروج پر پہنچ جائے۔ اس کا حریف اسے زیر نہ کر سکے اور وہ خوشحالی، بے فکری، اطمینان و سکون اور عظمت و وقار سے زندگی گزارے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اس جہان کو دارالعمل بنایا ہے۔ جس کسی کو جتنی زندگی دی گئی ہے اسے اختیار دیا گیا کہ اپنے یہ لمحاتِ زیست جن مشاغل میں جس طریقہ سے چاہے گزار لے پھر اسے اس دارِ فانی سے انتقال کر کے ایک دوسرے جہان میں چلے جانا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہیں رہنا ہے اور وہاں سے دنیا کی طرف کبھی واپسی ہوگی نہ کسی اور جگہ انتقال، وہاں پر کسی انسان کی دوسروں پر حکمرانی نہ ہوگی، کوئی کسی سے اپنے لیے اس کی آسائشیں اور راحتیں چھین نہیں سکے گا۔ وہاں دنیا کی بادشاہتیں اور چودھراہٹیں، سرداریاں اور وزارتیں، گورنریاں اور صدارتیں کسی ترقی اور امتیازی حیثیت کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بن سکیں گی۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آمروں، ڈکٹیٹروں اور پوری نسلِ انسانی کو مخاطب کر کے فرمائیں گے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ آج بتاؤ حاکم اور بادشاہ کون ہے؟ اپنی عاجزی اور مسکنت کا اعتراف کرتے ہوئے سب کی ایک ہی صدا ہوگی۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ صرف اللہ واحد قہار۔

اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہونے سے پہلے پہلے ہم اپنے اعمال و کردار اور سوچ و فکر کو دین و شریعت کے ان سانچوں میں ڈھالیں جو آخرت کی زندگی کو آسان بنا دیں اور اللہ تعالےٰ کے غصہ اور عذابِ جہنم سے نجات کا موجب ہوں۔

فطرت کی ہر ایجاد اور کائنات کا ہر عنصر ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ دنیا میں کوئی شے بھی اللہ تعالیٰ نے بغیر مقصد اور بغیر مطلب کے پیدا نہیں فرمائی۔ اسی طرح تمہارا وجود بھی کسی مقصد اور غرض و غایت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور تخلیق انسانی کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب نے ہمیں یہ دیا کہ:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد صرف بندگی کرنا ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ مجید نے بتایا کہ کائنات کی وہ چیزیں جن کے وجود اور عمل میں مداخلت ہمارے بس میں نہیں ہے اور وہ زمانے کی آنکھ کے سامنے ہزاروں سال سے ایک مربوط اور باقاعدہ نظام میں اپنے فرائض ادا کر رہی ہیں ان میں غور و فکر کا نتیجہ انہیں پیدا کرنے والی اور انہیں ایک وقت معین تک اپنے اپنے کام میں لگا دینے والی ذات رب العالمین کے خالق و مالک اور قادرِ مطلق ہونے کا ایمان و یقین ہونا چاہیے۔ دن رات کا آنا جانا سورج چاند اور دوسرے سیارگانِ سماوی کا متعین وقت میں اپنے اپنے راستوں پر ایک دوسرے سے ٹکرائے بغیر چلتے رہنا اور کبھی اپنے مفوضہ فرائض سے غافل نہ ہونا اپنے ہر دیکھنے والے کی اس حقیقت کی جانب رہنمائی کرتا ہے کہ یہ سارا مرتب و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک قادرِ مطلق اور مختارِ کل فرمانروا کے ہاتھ میں ہے۔ جس نے اپنی مشیت و قدرت سے ہر چھوٹی بڑی چیز کے عمل کی حد بندی کر رکھی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس نظام سے باہر قدم رکھ سکے اور اپنے کام میں کوتاہی برتے۔ اگر کارخانۂ کائنات کا ایک فرد اور اس مشین کا ایک پرزہ بھی اپنی حدود سے تجاوز کرنے کا مختار ہوتا اور اللہ العالمین کی مرضی اور اختیار سے باہر ہونے کی استعداد رکھتا تو کائنات عالم کا یہ مکمل و مستحکم نظام کبھی کا درہم برہم ہو چکا ہوتا۔

قرآن کہتا ہے کہ اولوا الالباب کے لیے "ایسی نشانیاں ہیں" لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ جو زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اس سے انہیں اس حقیقت کا کھوج مل جاتا ہے کہ جیسے خالق العٰلمین نے ہمیں بے فائدہ اور عبث پیدا نہیں فرمایا بلکہ اپنی بندگی اور نیابت و عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ایسے ہی کائنات کا یہ وسیع نظام بھی ایک مقصد کے تحت چل رہا ہے اور دوسری بات یہ کہ جس طرح ہم نے زندگی کے دن پورے کر کے موت کی آغوش میں چلے جانا ہے ایسے ہی اس کائنات کے تمام افراد اور جمیع عناصر نے اپنا کام مکمل کر کے چھٹی کر دینی ہے اور ختم ہو جانا ہے۔ ہمارے سامنے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ بڑھتی، پھولتی پھلتی، جوان ہوتی ہیں اور جب ارتقاء کی آخری منزل پر پہنچتی ہیں تو پھر ان پر تنزل کے سائے منڈلانے لگتے ہیں اور ان پر بڑھاپا آ جاتا ہے بالآخر وہ ختم ہو جاتی ہیں۔

بلاشبہ ہر چیز کے پیدا ہونے سے پہلے موت اور فنا ہونا اس کے مقدر میں لکھا جا چکا۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ صرف اللہ ہی حی و قیوم ہے۔

وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ قرآنی اصول کے مطابق اولوالالباب (عقلمند اور اہل بصیرت) صرف وہ لوگ ہیں جو اس زمین و آسمان کی تخلیق اور دن رات کے آنے جانے میں غور و فکر کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و صناعی کو دیکھ کر اس کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اس کائنات کی کوئی چیز انہیں اپنے کمال اور حسن و جمال سے متاثر کر کے خدا کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی بلکہ ان پر ہر شے کا کمال و جمال اس خدائے ذوالجلال کی قدرت اور جمال و حسن کا یقین و ایمان مزید پختہ کرنے کا موجب ہوتا ہے جو ہر حسن اور ہر کمال کا پیدا کرنے والا ہے۔

ان آیات کے حواشی میں اولوالالباب کے کے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یعنی ذکر و فکر کے بعد کہتے ہیں کہ خداوندا! یہ عظیم الشان کارخانہ آپ نے بیکار نہیں پیدا کیا جس کا کوئی مقصد نہ ہو، یقیناً ان عجیب و غریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم و جلیل نتیجہ پر منتہی ہونا چاہیے گویا یہاں سے ان کا ذہن تصورِ آخرت کی طرف منتقل ہو گیا جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے۔ اسی لیے آگے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کی اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ بیان کر کے اشارہ کر دیا کہ جو احمق قدرت کے ایسے صاف و صریح نشان دیکھتے ہوئے تجھ کو نہ پہچانیں یا تیری شان کو گھٹائیں یا کارخانۂ عالم کو محض عبث و لعب سمجھیں تیری بارگاہ ان سب کی ہزلیات و خرافات سے پاک ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعاتِ الٰہیہ میں غور و فکر کرنا وہی محمود ہو سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو لوگ پیچ ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں۔ خواہ دنیا انہیں بڑا محقق اور سائنس دان کہا کرے مگر وہ قرآن کی زبان میں اولوالالباب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ پرلے درجے کے احمق اور جاہل ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و یقین کی دولت سے نوازے۔ فتنوں سے مصائب و مشکلات سے نجات دے اور جو ہمارے فرائض قرآن و سنت کی رُو سے متعین ہو چکے ہیں ان کو جاننے اور ادا

مجلسِ ذکر، میں ۱۵ ر نومبر ۱۹۷۳ء

ترتیب:۔ عبدالرشید انصاری

ذکرُ اللہ میں مشغول رہنے کیلیے صحبتِ صالحین اختیار کرنی چاہیئے

اہل شریعت اور اہل طریقت دونوں مقدّس گروہ ہیں، ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔

از: جانشینِ شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ اوکما قالت رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا یعنی ذکر اللہ سے مومن کا کوئی وقت خالی نہیں رہنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے انسان گناہوں کے ارتکاب سے بھی بچا رہتا ہے دینی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہوتی اور نیکی و بھلائی کے کاموں کی طرف طبیعت کا میلان بڑھتا رہتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی جو حدیث ہم نے پڑھی ہے اس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ آپ ہر حالت میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ تمام مصروفیات میں یادِ الٰہی سے غفلت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ سونے کی حالت میں بھی اللہ کا ذکر جاری رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں سوتا ہوں تو میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کو اجرِ عظیم عطا فرمائے جنہوں نے ہمیں دین کے راستے پہ لگایا اور ان کے ذریعہ سے اللہ کا یہ دین ہم تک پہنچا۔ یہ ہمارا ذکر اللہ کی مجالس میں محض یادِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے ذکر کے لیے اکٹھے ہونا بھی انہی اکابر کی دین کے لیے محنت اور خلوص کا نتیجہ ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی تھی کہ:۔

یٰبُنَیَّ عَلَیْکَ مَجَالِسَ الْعُلَمَاءِ وَکَلَامِ الْحُکَمَاءِ۔ اے میرے لختِ جگر علماء کی صحبت اختیار کر اور داناؤں کی باتوں کو لازم پکڑ۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ علماءِ دین رنگ فروش ہیں، اللہ والے رنگ ساز ہیں۔ اس لیے اپنے اعمال و کردار کو دینِ الٰہی اور شریعت اسلامیہ کے رنگ میں رنگنے کے لیے ہمیں اہل اللہ اور علماء ربانی یعنی اہل طریقت اور اہل شریعت دونوں مقدس گروہوں سے کسب فیض کرنا ہوگا۔ ان میں کسی ایک کو بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ آج جو لوگ علماءِ دین کی رہنمائی کے بغیر اور دین و شریعت کو چھوڑ کر اہل طریقت ہونے کے مدعی ہیں وہ ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں خود بھی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے پیچھے لگا کر گمراہ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی جو حالت ہے اس کا تذکرہ کرنے سے بھی طبیعت اِبا کرتی ہے۔ ان لوگوں نے توہمات اور شعبدہ بازیوں کا نام دین رکھ لیا ہے۔ اور خدا اور رسولؐ کے احکام پر عمل کرنا اور دنیا کو دین پر چلنے کی تعلیم دینا تو درکنار وہ تو الٹا لوگوں کو کہتے ہیں کہ یہ مولویوں کی باتیں ہیں ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔

اب آپ اندازہ فرمائیں کہ جو لوگ نماز روزے کے بھی قریب نہ جائیں اور اسے مولویوں کی باتیں کہیں اور جب اذان کی آواز سنائی دے۔ تو (العیاذ باللہ) کہیں کہ بدمعاشوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ کیا یہ لوگ خدا کی مخلوق کو گمراہ نہیں کر رہے۔ جو خود فسق و فجور میں لت پت ہیں وہ دوسروں کو نیکی کا راستہ کیسے دکھائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کی زمین پر ایک بوجھ ہیں۔ یہ خدا رسیدہ نہیں خدا کے باغی ہیں، ان لوگوں کے زندہ رہنے سے ان کا مر جانا بہتر ہے۔ یہ لوگ مخلوق کو اپنے خالق سے تعلق جوڑنے کی دعوت دینے کے بجائے لوگوں کو شرک و بدعت اور بے دینی کے ایسے کاموں پہ اکساتے ہیں جن کے کرنے سے خدا تعالیٰ کا غضب اور قہر ان پر نازل ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایسے غلط کار اور بد باطنوں سے نجات دے اور اہل حق کی صحبت نصیب فرمائے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند — صحبتِ طالح ترا طالح کند

(باقی صـــ پر)

ابنِ ساباط

ایک چور جو شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح سے ولی بن گیا

مولانا ابو الکلام آزادؒ

گرمیوں کا موسم ہے آدھی رات گذر چکی ہے مہینہ کی آخری راتیں ہیں۔ بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہے۔ مگر چاند کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہے دجلہ کے پار کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہے۔

اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا ایک آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جا رہا ہے وہ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں پہنچا اور ایک مکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہو گیا اب اس نے سانس لی گویا یہ مدت کی بند سانس تھی جسے اب آزادی سے ابھرنے کی جسارت ملی ہے۔ پھر اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ یقیناً تین پہر رات گذر چکی ہے وہ اپنے دل میں کہنے لگا مگر کیا بدنصیبی ہے کہ جس طرف رخ کیا ناکامی ہی ہوئی اور پوری رات اسی طرح ختم ہو جائے گی۔ یہ خوفناک ابن ساباط ہے جو دس برس کی طول طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے اب کسی طرح نکل بھاگا ہے اور نکلنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ از سر نو شروع کر رہا ہے۔ یہ اس کی نئی مجرمانہ زندگی کی پہلی رات ہے اسی لیے وقت کے بے نتیجہ ضائع ہونے پر اس کا بے صبر دل پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ اس نے ہر طرف کی آہٹ لی۔ زمین سے کان لگا کر دور دور تک کی صداؤں کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر آگے بڑھا کچھ دور چل کر اس نے دیکھا کہ ایک احاطہ کی دیوار دور تک چلی گئی ہے اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہے۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر امراء کے باغ تھے۔ یا سوداگران کے گودام تھے۔ اس نے خیال کیا کہ یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا باغ ہے یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گیا اور سوچنے لگا اندر کیونکر جائے اس نے آہستگی سے دروازہ پر ہاتھ رکھا لیکن اسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا صرف بھیڑا ہوا تھا۔ ایک سیکنڈ کے اندر ابن ساباط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اس نے دلیرانہ قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا۔ اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں نسبتاً بڑی عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھا کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہ تھا چھوتے ہی کھل گیا گویا وہ کسی کا منتظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی کے ساتھ جو صرف مشاق مجرموں ہی کے قدموں میں ہو سکتی ہے اندر چلا گیا۔ اندر جا کر دیکھا۔ تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سامان راحت و زینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ قیمتی اشیاء کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف ایک کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ اور ایک طرف کپڑے کا ایک گٹھر پڑا تھا البتہ ایک گوشے میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے گویا کسی نے جلدی میں پھینک دیے ہیں اور ان کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں پڑی تھیں اس نے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ تو اپنی اندھیرے میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر۔ لیکن اس کا ہاتھ ایک ہی تھا یہ بغداد والوں کی بول چال میں "ایک ہاتھ کا شیطان تھا" جو اب پھر قید و بند کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہو گیا تھا۔ دس برس کی قید کے بعد آج ابن ساباط کو پہلی مرتبہ موقع ملا تھا کہ اپنے دل پسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے جب اس نے دیکھا کہ اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے اور یہ پہلا قدم بے کار ثابت ہوگا۔ اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہو گئے۔ وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا جو اپنے مکان میں رکھنے کے لیے قیمتی اشیاء فراہم نہ کر سکے۔ ایک مفلس کا افلاس خود اس کے لیے اس قدر دردانگیز نہیں ہوتا جس قدر اس چور کے لیے جو رات کے پچھلے پہر مال و دولت تلاش کرتا ہوا پہنچتا ہے۔ اس میں شک نہیں پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیمت رکھتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن ساباط تنہا ہی نہیں تھا۔ بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہمت کرتا مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہیں سکتا تھا وہ تھانوں کی موجودگی پر معترض نہیں تھا ان کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا اتنی وزنی چیز چرا کر لے جانا آسان نہ تھا۔

ایک ہزار لعنت کرخ اور اس کے تمام باشندوں پر وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا۔ "نہیں معلوم یہ کون احمق ہے۔ جس نے یہ ملعون تھان جمع کر رکھے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہے لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہے جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لیے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اتنا بڑا مکان بنا کر اس میں گدڑیوں اور حجروں کی جھول بنانے کا سامان جمع کر دیا ہے اس نے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر پیمائش کی۔ بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے۔ ایک تھان اٹھانے کے لیے تو کئی گدھے ساتھ لانے چاہئیں لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ رات جا رہی تھی اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاکی جاتی۔ اس نے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اسے فرش پر بچھا دیا پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو جو اٹھائے جا سکتے ہیں اٹھا لے۔ مشکل یہ تھی کہ مال کی قیمت کم مگر بہت زیادہ وزنی تھا۔ کم لیتا ہے تو بے کار ہے زیادہ لیتا ہے تو لے جا نہیں سکتا۔ عجیب طرح کی کشمکش میں گرفتار تھا بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا لیکن دوسری مشکل پیش آئی صوف کا کپڑا بہت موٹا تھا اسے مروڑ کے گرہ لگانا آسان نہ تھا دونوں ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا۔ پھر جائیکہ ایک ہاتھ سے! بلا شبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ دو تھے لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے۔ صوف کی گٹھڑی باندھنے کے لیے سود مند نہ تھے۔ اس نے بہت سی تجویزیں سوچیں طرح طرح کے تجربے کیے۔ دانتوں سے کام لیا۔ لکڑی ہوئی کہنی سے سرا دبایا لیکن کسی طرح بھی گٹھڑی میں گرہ نہ لگ سکی۔ وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت نے اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا اندرونی جذبات کے ہیجان اور بیرونی فعل کی بے سود محنت نے ابن ساباط کو بہت جلد تھکا دیا وقت کی کمی، عمل کا قدرتی خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت اور فائدہ کی قلت اس کے دماغ کے لیے تمام مخالف تاثرات جمع ہو گئے تھے۔

اچانک وہ چونک اٹھا اس کی تیز قوت سامعہ نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لمحہ تک خاموشی رہی۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہے۔ ابن ساباط گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کر سکے دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں ہوئی۔ خوف اور دہشت سے اس کا خون منجمد ہو گیا۔ جہاں کھڑا تھا وہیں قدم گڑ گئے۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں شمعدان ہے اور اس نے اس طرح اونچا کر رکھا ہے کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہو گئے ہیں۔

اس شخص کی وضع قطع سے اس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا ہلکے رنگ کی ایک لمبی قبا اس کے جسم پر تھی۔ جسے کمر کے پاس ایک موٹی سی رسی لپیٹ کر جسم پر چست کر لیا تھا سر پر سیاہ قلنسوہ (اونچی دیوار کی ٹوپی) تھی اور اس قدر کشادہ تھی کہ اس کے کنارے ابروؤں کے قریب پہنچ گئے تھے جسم نہایت نحیف تھا اتنا نحیف کہ صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی ابھری ہوئی ہڈیاں صاف صاف دکھائی دے رہی تھیں اور قد کی درازی نے جس میں کمر کے پاس خفیف سی خمیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ نحافت اور زیادہ نمایاں کر دی تھی لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی نحافت کا کوئی اثر اس کے چہرے پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گیرائی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلآویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہے۔ رنگت زرد تھی۔ رخسار بے گوشت تھے جسمانی تنومندی کا نام و نشان نہیں تھا لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا۔ ایک نہایت طاقتور چہرہ اس کے سامنے ہے خصوصاً اس کی نگاہیں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی جاگتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا دنیا کی ساری راحت اور سکون انہی دو حلقوں کے اندر سما گیا ہے۔ چند لمحوں تک یہ شخص شمع اونچی کیے ابن ساباط کو دیکھتا رہا۔ پھر اس طرح آگے بڑھا گویا اسے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ گیا ہے اس کے چہرہ پر زیر لب تبسم تھا ایسا دلآویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے

اضطراب اور خوف دور کر سکتی ہے اس نے شمعدان ایک طرف رکھ دیا اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ابن ساباط سے کہا۔

"میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو جو کام تم کرنا چاہتے ہو یہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پا سکتا دیکھو! یہ شمع روشن ہے اور میں تمہاری رفاقت کے لیے موجود ہوں۔ روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے۔"

وہ ایک لمحہ کے لیے رکا جیسے کچھ سوچنے لگا ہے۔ پھر اس نے کہا، میں دیکھتا ہوں، تم بہت تھک گئے ہو، تمہاری پیشانی پسینہ سے تر ہو رہی ہے، یہ گرم موسم، بند کمرہ، تاریکی اور تاریکی میں سخت محنت، افسوس انسان کو اپنے رزق کے لیے کیسی کیسی زحمتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ دیکھو! یہ چٹائی بچھی ہوئی ہے یہ چمڑے کا تکیہ ہے، میں اسے دیوار کے سامنے لگا دیتا ہوں۔

اس نے تکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا۔

"بس ٹھیک ہے اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سستا لو۔ اتنی دیر میں تمہارا ادھورا کام پورا کئے دیتا ہوں"

اس نے یہ کہا اور ابن ساباط کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اس کی نظر دوبارہ اس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی تو اس نے اپنی کمر سے رومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں باپ کی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی محبت کام کر رہی تھی۔

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن ساباط کا دماغ مختل ہو کر رہ گیا وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ معاملہ کیا ہے ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اس نے دیکھا کہ اجنبی نے کام شروع کر دیا ہے۔ اس نے پہلے وہ گٹھڑی کھولی جو ابن ساباط نے باندھنی چاہی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی۔ پھر دو تھان کھول کر بچھا دیئے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے ان سب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا، ایک حصہ میں زیادہ تھے ایک میں کم، پھر دونوں کی دو الگ الگ گٹھڑیاں باندھ لیں، یہ تمام کام اس نے اس اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا گویا اس میں اس کے لیے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ اس نے اپنی عبا اتاری اور اسے بھی گٹھڑی کے اندر رکھ دیا۔ اب وہ اٹھا اور ابن ساباط کے قریب گیا۔

میرے دوست! تمہارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں بلکہ بھوکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو۔ اگر تم چند لمحے انتظار کر سکو تو میں دودھ لے آؤں"

اس نے کہا جب کہ اس کے پرشکوہ چہرہ پر بدستور مسکراہٹ دلآویزی موجود تھی ممکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو نہ ہو جائیں، قبل اس کے کہ ابن ساباط جواب دے وہ تیزی کے ساتھ لوٹا اور باہر نکل گیا۔

اب ابن ساباط تنہا تھا لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے ہوش میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی ایسی بات نہ تھی، جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا وہ صرف متحیر اور مبہوت تھا۔ اجنبی کی ہستی اور اس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا ابن ساباط کو تحیر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی، اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دماغی شخصیت معدوم ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا تو آہستہ آہستہ اس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا یہاں تک کہ تمام دماغ کے خصائل پوری طرح ابھر آئے اور وہ اس روشنی میں معاملات کو دیکھنے لگا۔ جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ عادی تھا۔

وہ جب اجنبی کا متبسم چہرہ اور دل نواز صدائیں یاد کرتا تو شک اور خوف کی جگہ اس کے اندر ایک ایسا نا قابل فہم جذبہ پیدا ہو جاتا جو آج تک اسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا لیکن پھر بھی جب وہ سوچتا کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہے اور یہ شخص ہے کون؟ تو اس کی عقل حیران رہ جاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہ آتی۔ اس نے اپنے دل میں کہا یہ تو قطعی ہے کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہو سکتا، مکان کے مالک کبھی چوروں کا استقبال نہیں کیا کرتے۔

"........ مگر پھر یہ شخص ہے کون...... ؟"

اچانک ایک نیا خیال اس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسا۔

"استغفر اللہ! میں بھی کیا احمق ہوں، یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی، معاملہ بالکل صاف ہے تعجب ہے مجھے پہلے خیال کیوں نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی ہم پیشہ آدمی ہے اور اسی نواح میں رہتا ہے۔

اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا ہے چونکہ یہ اسی نواح کا آدمی ہے اس لیے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا۔ اسے معلوم ہوگا کہ آج مکان رہنے والوں سے خالی ہے اور یہ اطمینان کام کرنے کا ہے اس لیے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے ہی پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ دے کر ایک حصہ کا حقدار بن جائے........ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لیے نمودار ہوا۔

"یہ لو میں تمہارے لیے دودھ لے آیا ہوں، اسے پی لو۔ یہ بھوک اور پیاس دونوں کے لیے مفید ہوگا"

اس نے کہا۔ اور پیالہ ابن ساباط کو پکڑا دیا۔ ابن ساباط واقعی بھوکا پیاسا تھا اس نے بلا تامل پیالہ منہ سے لگایا اور ایک ہی مرتبہ ختم کر دیا اب اسے معاملہ کی فکر ہوئی اتنے دیر کے توقف نے اس کی طبیعت بحال کر دی تھی۔

دیکھو اگرچہ میں تم سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ اور ہاتھ لگا چکا تھا اور اس لیے ہم لوگوں کے قاعدے کے موجب تمہارا کوئی حق نہیں لیکن تمہاری ہوشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تامل نہیں کہ تمہیں بھی اس کام میں شریک کروں اگر تم پسند کرو گے تو میں ہمیشہ کے لیے تم سے معاملہ کر لوں گا لیکن دیکھو یہ میں کہے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے اس میں تم برابر کا حصہ نہیں پا سکتے کیونکہ دراصل آج کا کام میرا ہی کام تھا۔

اس نے صاف آواز میں کہا اس کی آواز میں تاثر نہیں تھا تحکم تھا۔ اجنبی مسکرایا۔ اس نے ابن ساباط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہر سے خالی نہ تھی لیکن اس کے علاوہ بھی اس میں کوئی چیز تھی جسے ابن ساباط سمجھ نہ سکا اس نے خیال کیا شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر قانع نہیں ہے۔ اچانک اس کی آنکھوں میں اس کی خوفناک درندگی چمک اٹھی وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

بے وقوف! چپ کیوں ہے، یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا پیالہ پلا کر چکنی چپڑی باتیں کر کے تم مجھے احمق بنا لو گے۔ تم نہیں جانتے میں کون ہوں؟ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا۔ بولو اس پر راضی ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو..."

لیکن ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے اب بھی اس کے لبوں سے مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی۔

میرے عزیز دوست! کیوں بلاوجہ اپنی طبیعت آزردہ کرتے ہو؟ آؤ یہ کام جلد نپٹا لیں جو ہمارے سامنے ہے میں نے دو گٹھڑیاں باندھ لی ہیں۔ ایک چھوٹی ہے ایک بڑی۔ تمہارا ایک ہاتھ ہے اس لیے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گٹھڑی تم اٹھا لو بڑی میں اٹھا لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال سے تمہیں اتنی آزردگی ہوئی ہے میں بھی نہیں چاہتا کہ اس وقت اس کا فیصلہ کراؤں۔ تم نے کہا ہے...... تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے فیصلہ کر سکتے ہو مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے معاملہ کر لو"

ہاں اگر یہ بات ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے تمہیں ابھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟

پورے ملک میں تمہیں مجھ سے بہتر کوئی سردار نہیں......

...... مل سکتا۔ اس نے بڑی گٹھڑی اٹھانے میں اجنبی کو مدد دیتے ہوئے کہا۔

یہ گٹھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن ساباط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا وہ اگرچہ نئے رفیق کی زیادہ جرأت افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

"دوست! تم دیکھنے میں تو بڑے دبلے پتلے ہو۔ لیکن بوجھ اٹھانے میں بڑے مضبوط نکلے"

ساتھ ہی اس نے اپنے دل میں کہا۔

"یہ جتنا مضبوط ہے اتنا عقل مند نہیں ہے، ورنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جاتا اگر آج یہ احمق نہ مل جاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر صرف ایک تھان پر قناعت کر لینا پڑتی"

اب ابن ساباط نے اپنی گٹھڑی اٹھائی جو بہت ہلکی تھی اور دونوں باہر نکلے اجنبی کی پیٹھ جس میں پہلے سے خم موجود تھا اب گٹھڑی کے بوجھ سے بالکل ہی جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا لیکن ابن ساباط کو قدرتی طور پر جلدی تھی وہ بار بار حاکمانہ انداز سے اصرار کرتا کہ تیز چلو اور چونکہ خود اس کا اپنا بوجھ بہت ہلکا تھا اس لیے وہ خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی تعمیل حکم کی پوری کوشش کرتا لیکن بھاری بوجھ اٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لیے پوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں بار ہا بوجھ گرتے گرتے رہ گیا، ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی کہ قریب تھا گر جائے پھر بھی اس نے رکنے کا،

سستانے کا نام نہ لیا۔ گرتا پڑتا اپنے ساتھی کے ساتھ بڑھتا ہی گیا لیکن ابن ساباط اس پر بھی خوش نہ تھا اس نے پہلے تو ایک دو مرتبہ اسے تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بے تال گالیوں پر اتر آیا ہر لمحہ کے بعد اسے ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو اتنے میں ایک پل آ گیا۔ یہاں چڑھائی تھی جسم کمزور اور تھکا ہوا بوجھ بے حد بھاری، اجنبی سنبھال نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی یہ ابن ساباط کی لات تھی۔ اس نے غضب ناک ہو کر کہا

"اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاد کر لایا کیوں؟"

اجنبی ہانپتا ہوا اٹھا اس کے چہرے پر درد و نقاہت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے اس نے فوراً گٹھڑی اٹھا کر پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہوا۔

اب یہ دونوں شہر کے کنارے ایک حصہ میں پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھا یہاں ایک نا تمام عمارت پرانا اور شکستہ احاطہ تھا ابن ساباط اس احاطہ کی جانب پہنچ کر رک گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گٹھڑیاں اندر پھینک دیں۔ اس کے بعد اجنبی بھی کود کر اندر ہو گیا۔ ..... عمارت کے نیچے ایک پرانا سرداب (تہ خانہ) تھا جس میں ابن ساباط نے قید خانے سے نکل کر پناہ لی تھی لیکن اس وقت وہ سرداب میں نہیں اترا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اجنبی پر ابھی اس درجہ پر اعتماد کرے کہ اسے اپنا اصلی مقام محفوظ دکھا دے۔

جس جگہ یہ دونوں کھڑے تھے دراصل وہ ایک نا تمام ایوان تھا یا تو اس پر پوری چھت پڑی ہی نہ تھی یا پڑی تھی تو امتداد وقت سے شکستہ ہو کر گر پڑی تھی۔ ایک طرف اینٹ سے پتھروں کا ڈھیر تھا۔ ابن ساباط انہی پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا دونوں گٹھڑیاں سامنے پڑی تھیں۔ ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا ہانپ رہا تھا کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

یکایک اجنبی بڑھا اور ابن ساباط کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اب رات ختم ہونے کو تھی پچھلے پہر کا چاند درخشاں تھا کھلی چھت سے اس کی شعاعیں ایوان کے اندر پہنچ رہی تھیں ابن ساباط دیوار کے سائے میں تھا لیکن اجنبی جو اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ٹھیک چاند کے مقابل تھا۔ اس لیے اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابن ساباط کو تاریکی میں ایک درخشاں، ایک نورانی تبسم نے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھائی جو اب تک اس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھی اس کی ساری زندگی گناہ اور سیہ کاری میں بسر ہوئی تھی اس نے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا سنا تھا وہ یہی تھا کہ انسان خود غرضی کا پتلا اور نفس پرستی کی مخلوق ہے وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے بے رحمی سے ٹھکرا دیتا ہے سخت سے سخت سزائیں دیتا ہے لیکن ...... وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے اور اس میں فیاضی بخشش اور قربانی کی روح ہو سکتی ہے۔ بچپن میں اس نے بھی خدا کا نام سنا تھا اور خدا پرستی کرتے دیکھا تھا لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان سامنے کھلا تو اس کا عالم ہی دوسرا تھا اس نے قدم اٹھایا اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی بڑھتا گیا۔

نہ تو خود اسے کبھی مہلت ملی کہ خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوتا اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ اسے خدا سے آشنا کرتے جوں جوں اس کی شقاوت بڑھتی گئی سوسائٹی نے اپنی سزا بھی بڑھا دی۔ سوسائٹی کے پاس اس کی شقاوت کے لیے بے رحمی تھی اس لیے یہ بھی دنیا کی ساری چیزوں میں سے بے رحمی کا خوگر ہو گیا۔

لیکن اب اچانک اس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہے یہ چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اب یکایک اس سورج کی پہلی کرن ابن ساباط کے دل کے تاریک گوشہ پر پڑی اور وہ ایک گہری تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ گیا اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظر میں اس کے دل میں پہنچ چکی تھی لیکن وہ جہالت اور گمراہی سے اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ اور حقیقت کے فہم کے لیے تیار نہیں ہوا لیکن جوں ہی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اس نے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا حقیقت اپنی پوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو گئی اور اب اس کی طاقت سے باہر تھا کہ اس کے تیز زخم سے سینہ بچائے جاتا۔

اس نے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا اجنبی میری ہی طرح کا چور ہے اور اپنا حصہ لینے کے لیے میری رفاقت و اعانت کر رہا ہے اس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر غرض اور فائدہ کے ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کر سکتا ہے لیکن جب اجنبی نے چلتے وقت بتلایا کہ وہ چور نہیں بلکہ اسی مکان کا مالک ہے جس کا مال و متاع غارت کرنے کے لیے وہ گیا تھا۔ تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یکایک ایک بجلی آسمان سے گر پڑی ہے "وہ چور نہیں تھا مکان کا مالک تھا۔ . ..... لیکن اس نے چور کو پکڑنے اور سزا دینے کی جگہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا" کا جواب اس کی روح کے لیے ناسور اور اس کے دل کے لیے ایک دہکتا ہوا انگارا تھا وہ جس قدر سوچتا روح کا زخم گہرا ہوتا جاتا اور دل کی تپش بڑھتی جاتی۔ اس تمام عرصہ میں اجنبی کے ساتھ جو کچھ گذر رہا تھا اس کا ایک ایک واقعہ ایک ایک حرف یاد کرتا اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چبھن محسوس کرتا پر اسرار انداز نگاہ کی دلکا ویزی سامنے ہے میرے دوست اور رفیق! اجنبی نے اپنی اس دلنواز اور شیریں آواز میں جو دو گھنٹے پہلے ابن ساباط کو بے خود کر چکی تھی کہنا شروع کیا:-

"میں نے اپنی خدمت پوری کر لی ہے اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس کام کے کرنے میں مجھ سے جو کمزوری اور سستی ظاہر ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے بار بار تمہیں پریشان خاطر ہونا پڑا اس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں مجھے امید ہے کہ تم معاف کر دو گے۔"

اس دنیا میں ہماری کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر ملتی جلتی نہیں ہے جس قدر یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں۔ اور بخش دیں لیکن قبل اس سے کہ میں تم سے الگ ہوں تمہیں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم نے خیال کیا ہے میں اسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی تھی اور تم نے میری رفاقت قبول کر لی تھی، میری عادت ہے کہ رات کو تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے میں جایا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے آج آیا تو دیکھا تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف انتظار سہ رہے ہو، تم میرے گھر میں عزیز مہمان تھے، افسوس میں آج اس سے زیادہ تمہاری تواضع اور خدمت نہ کر سکا۔ تم نے میرا مکان دیکھ لیا ہے آئندہ جب کبھی تمہیں ضرورت ہو تو بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس آ سکتے ہو، خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔

یہ کہا اور آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مصافحہ کیا اور تیزی کے ساتھ نکل کر روانہ ہو گیا۔ اجنبی خود تو روانہ ہو گیا لیکن ابن ساباط کو ایک دوسرے ہی عالم میں پہنچا دیا اب وہ مبہوت اور مدہوش تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں وہ اسی طرف تک رہی تھیں جس طرف سے اجنبی روانہ ہوا تھا لیکن معلوم نہیں اسے کچھ سجھائی بھی دیتا تھا یا نہیں...... ؟

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ بغداد کی مسجدوں سے جوق در جوق نمازی نکل رہے تھے، دوپہر کی گرمی نے امیروں کو تہ خانے میں اور غریبوں کو دیواروں کے سایے میں بٹھا دیا ہے۔

اب دونوں نکل رہے ہیں۔ ایک تفریح کے لیے، دوسرا مزدوری کے لیے۔ لیکن ابن ساباط اس وقت تک وہیں بیٹھا ہے جہاں صبح بیٹھا تھا۔ رات والی دونوں گٹھڑیاں سامنے پڑی ہیں اور اس کی نظریں اس پر گڑی ہیں گویا ان کی ...... شکنوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈ رہا ہے بارہ گھنٹے گذر گئے لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت اسے محسوس نہیں ہوئی۔ وہ بھوک جس کی خاطر اس نے اپنا ایک ہاتھ کٹوا دیا تھا۔ اب اسے نہیں ستاتی۔ وہ خوف جس کی وجہ سے سورج کی روشنی اس کے لیے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی اب اسے محسوس نہیں ہوتا اس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں سمٹ آئی ہے اور وہ رات والے عجیب و غریب اجنبی کی صورت ہے وہ خود تو اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا مگر اسے کسی اور ہی عالم میں پہنچا گیا۔ ایک مرتبہ حافظہ میں سرگزشت ختم ہو جاتی تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کر دیتا اور آخر تک پہنچ کر پھر ابتدا کی طرف لوٹتا میں چور تھا۔ میں اب اس کا مال و متاع غارت کرنا چاہتا تھا میں نے اسے بھی چور سمجھا اسے گالیاں دیں، بے رحمی سے ٹھوکر لگائی مگر اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور یہی دہرانے لگتا۔ سورج ڈوب رہا تھا بغداد کی مسجدوں کے میناروں پر مغرب کی اذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں ابن ساباط بھی اپنے غیر آباد گوشہ سے اٹھا۔ چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجک کے باہر نکل گیا اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا۔ کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبے نے لے لی تھی وہ کرخ کے اسی حصہ میں پہنچا جہاں رات گیا تھا۔ رات والے مکان کو پہچاننے میں اسے کوئی وقت پیش نہیں آئی۔ مکان کے پاس ہی ایک لکڑہارے کا ایک جھونپڑا تھا یہ اس کے پاس گیا اور پوچھا یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہے اس میں کون تاجر رہتا ہے۔

تاجر ــــ؟ بوڑھے لکڑہارے نے تعجب سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو۔ یہاں تاجر کہاں سے آیا۔ یہاں تو شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ رہتے ہیں۔

ابن ساباط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا لیکن صورت

عربوں کے سینے میں اسرائیل کا خنجر پیوست کرنے میں کس نے کیا کردار ادا کیا — ؟

مغربی جرمنی میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کا قتل اور ہٹلر کے خلاف امریکی و برطانوی اخبارات کا پروپیگنڈہ



یہودیوں کو علیحدہ مملکت کے لیے جنوبی افریقہ، کینیا اور یوگنڈا کے علاقے پیش کیے گئے تھے۔

ہٹلر کے جرم کی سزا فلسطینی عربوں کو دینے کا کیا جواز تھا ؟

پہلی جنگ عظیم سے قبل شام، فلسطین اور حجاز کے علاقے ترکی کے قبضے میں تھے۔ یہودیوں نے ترکی کے سلطان عبدالحمید کو پیشکش کی۔ کہ اگر فلسطین میں انہیں علیحدہ وطن بنانے کی اجازت مل جائے تو وہ ترکی کو چالیس لاکھ اشرفیاں پیش کریں گے اور اس کے علاوہ بغاوتوں اور جنگوں کے نقصانات کی تلافی کے لیے مزید مالی امداد بھی دیں گے۔ بوڑھے سلطان کی آنکھ بہت گہری تھی اس نے پیشکش ٹھکرا دی۔ یہودیوں کو بہت رنج ہوا چنانچہ وہ اپنے لیے علیحدہ وطن کی خاطر کوششیں جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ ترکی سے بدلہ لینے کے لیے مواقع کی تلاش میں رہے۔

جب عالمگیر جنگ شروع ہوئی تو ایک یہودی سائنسدان ڈاکٹر چیم ویزمن نے کیمیائی جنگ کے متعلق بعض اہم ایجادات کر کے برطانوی حکومت کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہودیوں نے برطانیہ کو بلیک میل کیا اور یہودی سائنسدان کی خدمات کے عوض یہ وعدہ کیا کہ حکومت فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری میں دلچسپی لے گی جنگ کے دوران برطانوی فوج نے ترکوں کے خلاف اپنی مہم فلسطین اور مصر کی حد سے شروع کی سپہ سالار جنرل ایلن بی نے ۱۹۱۷ء کی اکتیس تاریخ کو بیرشیبا پر قبضہ کر لیا۔ ۷ نومبر کو غزہ پر قبضہ کیا۔ ۱۶ نومبر کو بندرگاہ جافہ کو فتح کیا۔ ۹ دسمبر کو ترک فوج نے بیت المقدس کے مقدس مقامات بچانے کی خاطر لڑے بغیر خالی کر دیا۔ دو دن بعد برطانوی فوجیں بیت المقدس میں داخل ہو گئیں۔ پھر انہوں نے شمال کی طرف رخ کیا اور یکم اکتوبر ۱۹۱۸ء کو دمشق پر قبضہ کر لیا یہاں تک کہ ۳۰ اکتوبر تک شام اور فلسطین پر ترکوں کا سورج غروب ہو چکا تھا۔

حجاز مقدس میں کرنل لارنس نے شریف مکہ حسین اور اس کے بیٹوں کو ورغلا کر ترکوں کے خلاف بغاوت کرا دی، دمشق اور مدینہ منورہ کو ملانے والی ریلوے لائن کو تباہ کر دیا گیا۔ اور شام و فلسطین میں لڑنے والی ترک فوجوں پر پے در پے حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ جنرل ایلن بی کی فتوحات کرنل لارنس کی ان کارروائیوں کی مرہون منت تھیں۔ عربوں میں قوم پرستی کی لہر تازہ دم تھی۔ سادگی اور عالمی سیاست سے بے خبری نے ان کی عقل پر پردے ڈال دیئے وہ سمجھ رہے تھے کہ برطانیہ جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد عربی بولنے والے علاقوں کی آزاد مملکت بنائے گا جس کا سربراہ اول شریف مکہ حسین ہوگا۔ عرب یہ بھی بھول گئے کہ برطانیہ نے فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے کا وعدہ کر لیا ہے سلطان عبدالحمید کی غیرت نے فلسطین میں یہودیوں کا وجود گوارا نہ کیا اور مال و زر کی پیشکش ٹھکرا دی۔ لیکن عرب قوم پرستی کے جنون نے اپنے بھائی کو دشمن جانا اور دشمن کو اپنا بھائی سمجھ لیا۔ یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ برطانیہ نے انہی کی مدد سے انہی کی سرزمین پر قبضہ کیا اور یہودیوں کے ناپاک قدم فلسطین میں پہنچنے لگے۔ برطانیہ نے سب سے پہلے یہودیوں کو جنوبی افریقہ کینیا یا یوگنڈا میں علاقہ دینے کی پیشکش کی۔ یہودیوں نے اسے قبول نہ کیا۔ پھر مصر اور فلسطین کے درمیان صحرائے سینائی کے مغربی کنارے پر واقع العریش کا علاقہ پیش کیا اس علاقہ میں پانی اور دیگر قدرتی وسائل کا فقدان تھا اس لیے اس پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا اس وقت برطانیہ کا وزیر خارجہ لارڈ بالفور تھا اس نے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو یہ اعلان کیا۔

"ملک معظم کی حکومت یہودی قوم کے لیے فلسطین میں ایک علیحدہ وطن کے قیام کو ہمدردی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی بہترین کوششوں کو استعمال کرے گی، لیکن کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جو فلسطین کے موجودہ غیر یہودی قوموں کے قانونی اور مذہبی حقوق کے خلاف ہو"

جب لیگ آف نیشنز نے فلسطین کو برطانیہ کے انتداب میں دیا تو یہودیوں کی آبادی صرف پچاس ہزار تھی لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد جب برطانیہ نے عربوں سے اپنا مطلب نکلوا لیا تو اعلان بالفور کی اس شرط کو کہ فلسطین میں عربوں کے حقوق کے منافی کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا، نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ وزیر خارجہ بالفور نے بھی اپنی منافقت کا اعتراف کر لیا اس نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کے متعلق ہم نے عربوں سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں نے جنگ عظیم میں ہماری بہت مدد

تقسیم فلسطین کی قرارداد نیویارک کی بجائے کسی اور شہر میں پیش کی جاتی تو کبھی منظور نہ ہوتی

کی تھی۔ برطانیہ نے عربوں کو جو دھوکہ دیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطین میں داخلے کے دروازے یہودیوں پر کھول دیئے گئے۔ اور تیس سال کے عرصہ میں یعنی ۱۹۴۷ء تک یہودیوں کی آبادکاری ۲۳ فیصد اور عربوں کی آبادی گھٹ کر ۶۰ فیصد ہو گئی۔ اس مدت میں یہودیوں نے فوج اور پولیس کی مدد سے عربوں کا قتل عام کیا اور سینکڑوں عرب راہنماؤں کو پھانسیاں دی گئیں ایک اندازے کے مطابق تقریباً ۱۰ ہزار اشخاص کو قتل کیا گیا اور لاکھوں عربوں کو ان کے وطن سے نکال دیا گیا۔ فلسطین میں عربوں کو اسلحہ رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ چنانچہ اگر کسی عرب کے گھر سے ایک کارتوس بھی برآمد ہوتا تو اسے پھانسی دے دی جاتی اس مدت کے دوران برطانیہ میں بھی سیاست دانوں اخبارات اور سیاسی جماعتوں نے عربوں کے خلاف خوب زہر اگلا اور یہودیوں کو اشتعال دلا کر عربوں سے سات سو سال پہلے یہودیوں کے قتل عام کا بدلہ لیا گیا۔

برطانیہ جنگ عظیم میں یہودیوں کی مالی امداد کا بے حد ممنون تھا اس کے علاوہ برطانیہ اور بیشتر یورپی ملکوں کے بنکوں اور صنعتی اداروں میں یہودیوں کا سب سے زیادہ سرمایہ لگا ہوا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ برطانیہ اور یورپی ملکوں کے اقتصادی اور مالی استحکام کا راز ہی یہودی سرمایہ کاری میں تھا اس کے علاوہ ایک جرمن یہودی میئر اشل کے خاندان کے احسانات بھی بہت زیادہ تھے۔ میئر اشل یورپ کا سب سے بڑا مہاجن تھا۔ اس نے یورپ کے شاہی خاندانوں کو جنگوں خانہ جنگیوں اندرونی اور بیرونی سازشوں سے نپٹنے کے لیے قرضے دے کر خوب دولت کمائی۔ اس کے ایک پوتے نے

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

ضیاء الرحمٰن فاروقی

علماءِ دیوبند کے دینی علمی اور سیاسی کارنامے

شاد باد و شاد زی اے سرزمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا پرچم بلند
(مولانا ظفر علی خانؒ)

اکابرین دیوبند کے مجاہدانہ کارناموں اور ایمان افروز عزم وعمل کی داستان آج بھی تاریخ کے اوراق پر سنہری حروف سے لکھی ہوئی ہے۔ یہ اسی دارالعلوم کی برکت ہے کہ آج ہند و پاک کے علاوہ پوری دنیا کے اطراف میں دین کی قندیلیں روشن ہیں۔

دیوبند کی اس تحریک کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جب انگریزی ریشہ دوانیوں کے اثرات ہندوستان میں رونما ہوتے دیکھے تو انہوں نے دیوبند میں ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۴ھ کو ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد تبلیغ دین کے ساتھ سامراجی سیاست اور ذہنیت کو ختم کرنا تھا۔ اس مدرسہ کی ابتداء انار کے ایک درخت کے سائے میں ہوئی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب اس مدرسہ کے وہ پہلے روشن چراغ ہیں۔ جنہوں نے اس درخت کے نیچے بیٹھ کر قال اللہ قال الرسول کے اسرار و رموز سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا شرفِ تلمذ پایا۔

خدمات کا اجمالی نقشہ

دارالعلوم دیوبند کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کے مطابق ۶۷۰۰۰ ہزار علماء آج تک دیوبند سے فارغ ہو کر پوری دنیا کے مختلف ممالک میں دین اسلام کی تبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں — ہر وقت ہندوستان کی سیاست کے معماروں اور مذہب کے پیشواؤں میں دارالعلوم ہی کے فیض یافتگان کی اکثریت شامل ہے۔ ان میں مولانا محمود الحسن کا نام نامی سرِ فہرست ہے جن کو سیاسی تدبر و بصیرت اور بے پناہ قابلیتوں کے پیشِ نظر تحریکِ خلافت کے قائدین نے شیخ الہند کے لقب سے نوازا۔ میدانِ سیاست کے اس مشہور شاہسوار نے سیاسی سوجھ بوجھ سے وہ کارنامے انجام دیے۔ جن کے ذکر کے بغیر ہندوستان کی تاریخ کے اوراق نامکمل رہ جاتے ہیں۔ انہوں نے تحریکِ ریشمی رومال کی ابتدا کی تو استاد کی صحبتوں نے ایک جفاکش اور بے لوث مجاہد امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو پیدا کیا۔ جس نے آزادیٔ فکر کو حیات نو بخشی، قوم کو جذبۂ حریت سے سرشار کیا۔ ۲۶ سال جلاوطنی کے مصائب برداشت کیے سامراجی ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ انہوں نے ساری عمر قومی خدمات میں صرف کر کے تعمیر و ترقی کی راہوں میں ہر قسم کی قربانیاں پیش کیں۔ کابل، ترکستان، بخارا اور تاشقند کے صحراؤں میں نغمہ ہائے آزادی کے گیت گائے۔ اس کے بعد شیخ الہندؒ کی صحبت نے امام راشد مولانا حسین احمد مدنیؒ ایسی جامع اور نابغہ روزگار شخصیت پیدا کی۔

وہ ایک وقت میں ہندوستان کی سب سے بڑی علماء کی سیاسی جماعت جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے تو دوسرے وقت میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث صدر المدرسین کے عہدے پر براجمان تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی یونیورسٹی کے "شیخ الحدیث" کا عہدہ ایسا عہدہ ہے جس پر بڑی بڑی سلطنتوں کی شہنشاہی قربان کی جا سکتی ہے۔

وہ تصوف و سلوک کی دنیا میں بھی ایک روشن چراغ تھے۔

ولایت و ریاضت میں ان کا مقام اللہ اللہ، آج تک اولیاء عظام بھی رشک کر رہے ہیں۔ ان کی جفاکشی، عالی ہمتی اور جوانمردی ایک ہی وقت میں ان تمام امور کی بجا آوری بجائے خود ایک کرامت سے کم نہ تھی۔ انہیں کسی نے مفسرِ قرآن کہا، کسی نے امام الاولیاء کے نام سے خراجِ تحسین پیش کیا، کسی نے رہبرِ دین و سیاست کا لقب دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ ایک بہت بڑے ہادی اور امام راشد تھے۔

مفتی کفایت اللہؒ

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے لائق ترین شاگردوں میں مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا نام بھی تاریخ دیوبند میں روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے۔ انہوں نے فقہ و حدیث میں ایسا کمال پایا۔ جس کی نظیر پورے ہندوستان میں تو کیا پوری دنیا میں نہیں مل سکتی۔ عقل و فراست، زیرکی و دانائی اور تعمق نظری میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

ان کا فتویٰ پورے ہندوستان میں حجتِ شرعیہ کا درجہ رکھتا تھا، ان کی خداداد صلاحیتوں اور ذہانت و فطانت پر شیخ الہندؒ بھی فخر کیا کرتے تھے۔

شیخ الہندؒ کے دوسرے شاگردوں میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے قلمی طور پر دین اسلام کی وہ خدمت کی جس کی نظیر برصغیر میں ممکن نہیں۔ ایک اندازے کے مطابق انہوں نے تبلیغ اسلام کی اشاعت میں ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں "بہشتی زیور" ان کا اب صدقہ جاریہ ہے جو یقیناً حضرت تھانویؒ کی نجات کے لیے کافی ہے۔ اور یہی بہشتی زیور ہر گھر میں مسلمان بچیوں میں اسلام کی اشاعتِ کثیر کا سبب واقع ہوا۔ آپ کے مواعظِ حسنہ، افاضاتِ یومیہ، مکتوبات اور ملفوظات کی اشاعت کا سلسلہ اتنا عام ہو چکا ہے۔ جس سے ایک مصلحِ وقت کی تعلیمات کا فیضان نمایاں ہے۔

دیوبند کی نامور شخصیات میں مظہر علم اللہ حضرت مولانا علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی مرکزی حیثیت کے حامل ہیں۔ تاریخ کے مقدس اوراق میں ان کے علم کی جامعیت کا ہر جگہ اعتراف موجود ہے۔ مفتی کفایت اللہؒ فرماتے ہیں — "میں جو مسئلہ مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتا ہمیشہ وافی جواب پاتا۔ اگر کبھی آپ کہہ دیتے کہ یہ مسئلہ میری نظر سے نہیں گزرا تو میں سمجھتا کہ یہ مسئلہ تفسیر و تحقیق کے کسی باب میں مذکور نہیں ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال فرمایا کرتے تھے —

"اجتہاد و استنباط اور مسائل علمیہ کی تحقیق میں مولانا انور شاہؒ کا ثانی پوری دنیا میں موجود نہیں ہے۔"

وہ اپنے وقت میں ایسے مفسر اور محدث تھے جس کی نظیر ماضی قریب میں کہیں نہیں ملتی۔ ان کی ہی وفات پر علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ان کی تصنیفی خدمات میں بخاری شریف کی نادرہ روزگار شرح "فیض الباری" اہل علم حضرات کے لیے ایک خزینہ سے کم نہیں۔ تفسیر حدیث کی خدمات میں فقیہہ اعظم مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی کتب قابل ذکر ہیں۔ جن میں بذل المجہود فی شرح ابی داؤد علماء کرام کے لیے گرانقدر ذخیرہ ہے۔ تفسیر قرآن میں تفسیر بیان القرآن حضرت تھانویؒ، تفسیر عثمانی و ترجمہ شیخ الہندؒ۔ اس کے علاوہ تفسیر امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ترجمہ مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ عوام الناس کے لیے ناقابل فراموش علمی ذخیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ معارف الحدیث مولانا منظور احمد نورانی کی عظیم تصنیف حدیث کی بہت بڑی خدمت ہے۔ دیوبند کے اہل قلم شاگردوں میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مؤرخ اسلام مولانا محمد زکریا صاحب، شیخ الحدیث مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا ابوالحسن علی ندوی قابل ذکر ہیں جنہوں نے ہزاروں دینی، اصلاحی، علمی و تبلیغی کتابوں کے ذریعے دارالعلوم کے روحانی فیضان کا چرچا کر کے خدا اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں اہل قلم، مصنف، مدبر، مفسر،

تصوف وسلوک

گذشتہ سے پیوستہ

ارشاداتِ حضرت تھانویؒ

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

● اپنے معمولات کے متعلق فرمایا۔ کہ بضرورت جیسا جیسا تجربہ ہوتا گیا قواعد و ضوابط تجویز کرتا گیا۔ اکثر سلطنت کا قانون بھی جبھی سخت بنایا جاتا ہے جب رعایا بدعنوانیاں کرتی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسۂ دیوبند کے نصاب سے فلسفے کی بعض کتابوں کو نام کے تعین کے ساتھ خارج کرا دیا تھا۔ کیونکہ حضرتؒ ان کو مضرِ دین سمجھتے تھے۔ کسی نے حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی شکایت کی کہ مولانا گنگوہی نے ان کتابوں کو حرام کر دیا۔ تو مولانا نے فرمایا کہ حضرتؒ نے حرام نہیں کیا بلکہ تمہاری طبیعتوں نے حرام کیا ہے۔ خود تمہاری طبیعتوں ہی میں کجی ہے۔ اس لیے یہ کتابیں مضرِ دین بن جاتی ہیں ورنہ اگر طبیعت سلیم ہو تو یہ کتابیں بجائے مضرِ دین ہونے کے معینِ دین ہو جائیں۔

● فرمایا۔ جب میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں تھا تو اس زمانے میں ایک متمول رئیس کانپور آئے۔ وہاں کے جتنے مدرسے تھے ان سب کے مہتمم اور مدرسین اپنے اپنے طلبہ کو لے کر چندے کی غرض سے ان رئیس کے استقبال کے لیے اسٹیشن پہنچے۔ مجھ سے بھی کہا گیا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا۔ کہ میں تو اپنے مدرسے سے ایک چڑیا کے بچے کو بھی نہ جانے دوں گا۔ میرے نزدیک مال سے زیادہ درجہ عزت کا ہے۔ اور اس صورت میں عزت یقیناً برباد ہوگی۔ اور مال کا ملنا محض محتمل ہے۔ ممکن ہے مل جائے اور ممکن ہے کہ نہ ملے اور دوسری صورت میں عزت تو یقیناً محفوظ ہے چاہے مال ملے چاہے نہ ملے۔ غرض میں نے تو اپنے مدرسے میں سے کسی کو نہیں جانے دیا۔ دوسرے مدرسے والے گئے اور اپنی اپنی ضرورتیں ظاہر کیں لیکن انہوں نے سب کی درخواستیں سن کر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک مدرسہ جامع العلوم بھی ہے اور اس کا کوئی نمائندہ نہیں۔ اس کے لیے میں دو سو روپے سال مقرر کرتا ہوں۔ لیجئے اور سب کو تو جواب دیا اور ہمارے مدرسے کے لیے دو سو روپے سال مقرر کر دیے۔ پھر دو سو روپے سال برابر آتے رہے۔

● فرمایا کہ ایک بار حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے حجرے میں اپنے ایک شاگرد کے پاس تشریف لائے جن کے پاس چارپائی نہ تھی۔ مولانا ان کے لیے خود بنفسِ نفیس گھر سے چارپائی اٹھا کر لائے۔ ابھی لا ہی رہے تھے کہ اتفاق سے ان کے شاگرد نے دیکھ لیا دوڑ کر چارپائی اٹھانے لگے۔ مولانا نے فوراً چارپائی چھوڑ دی اور فرمایا کہ لو تم خود ہی اس چارپائی کو لے جاؤ — یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ میں طالب علمی کے ختم ہونے تک اس خیال میں رہا کہ دنیا بھر کے علماء اسی شان کے ہوتے ہوں گے۔ لیکن جب باہر نکلا تو دیکھا اور کسی جگہ یہ رنگ ہی نہیں۔ اس وقت اپنے حضرات اساتذہ کی قدر ہوئی کہ اللہ اکبر۔ یہ حضرات اپنی کہیں نظیر نہیں رکھتے۔

● ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں کے اندر اوروں سے زیادہ سلطنت کرنے کی صفات موجود ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف، ترحم وغیرہ مگر بس کمی یہ ہے کہ ان میں نظم نہیں اور نظم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں اتفاق اور اتحاد نہیں۔ اور اتحاد و اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔ اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نااتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ نااتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہے۔ اور اس سے بڑھنا چاہتا ہے — سبحان اللہ! کیا حقیقت ظاہر فرمائی ہے — اس پر ایک صاحب نے استفسار کیا کہ تواضع کیونکر پیدا ہو؟ فرمایا کہ تواضع اختیاری چیز ہے۔ دوسروں کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرے خواہ نفس کو ناگوار ہو بس اسی سے تواضع کی صفت پیدا ہو جائے گی اگر صفت بھی نہ پیدا ہو صرف عمل ہی تواضع کے خلاف نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے — اب تو یہ ہے کہ کسی کو بڑا سمجھ لینے میں عار آتی ہے اور جب تک کسی کو بڑا تسلیم نہ کر لیا جائے مرکزیت جو نظم کے لیے ضروری ہے قائم نہیں ہو سکتی — خلاصہ یہ کہ تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ سب سے اول چیز تصوف میں تواضع ہی کی تعلیم ہے۔ جس کو اصطلاح میں فنا کہتے ہیں۔ عموماً تو تصوف میں فنا سب سے آخر مقام سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت سب سے اول مقام بھی فنا ہی ہے۔ اور سب سے آخر مقام بھی فنا ہی ہے کیونکہ فنا کے بھی درجات ہوتے ہیں باقی بدوں فنا کے تو اس طریق میں کوئی شخص ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ لاکھ وظیفے پڑھے، لاکھ تسبیحیں پھیرے — لوگ کہتے ہیں کہ حجروں میں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا میدان میں آنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ حجرے ہی میں بیٹھنے سے میدان کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ریڈیو حجرے ہی میں رکھا جاتا ہے۔ پھر وہیں سے تقریریں نشر کی جاتی ہیں جن سے تمام عالم میں ہل چل پڑ جاتی ہے۔

اسی سلسلۂ گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ میں نے تو ترجیح الراجح کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے کہ جس کو جو غلطی میری تصانیف میں ملے اس سے مجھے مطلع کر دے۔ تاکہ اگر مجھے اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے تو اس سے بالاعلان رجوع کر لوں۔ چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر بہت فراخدلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرحِ صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے تاکہ جو قول جس کے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کر لے۔ میں نے ہمیشہ یہی کیا کہ خواہ مخواہ اپنے قول کو نباہا نہیں — یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے ویسے تو یہ خصلت اپنے سب ہی اکابر میں تھی لیکن جیسا رنگ مولانا میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں ویسا نہ تھا۔ دورانِ درس میں جہاں کسی مقام پر شرحِ صدر نہ ہوا جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لیے ہوئے جا پہنچے اور بے تکلف کہا کہ مولانا! یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ذرا اس کی تقریر تو کر دیجئے۔ چنانچہ بعد تقریر کے واپس آکر طلبہ کے سامنے ان کو دہرا دیتے اور فرماتے کہ (فلاں) مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس ہی میں رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی — اور صرف ایک ہی بار نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش کے ساتھ بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ حضرت مولاناؒ کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ جن کی بڑی شان ہوتی ہے وہ کہیں ایسی باتوں سے گھٹتی ہے۔ اگر کسی کی ایک من شان ہو اور اس میں سے ایک تولہ گھٹ جائے تو اس کو اس کمی کی کیا پروا ہوگی؟ ہاں جس کی ایک چھٹانک ہی شان ہے اس میں اگر آدھی چھٹانک جاتی رہی تو اس کے پاس پھر آدھی چھٹانک ہی رہ جائے گی۔ اکابر اپنی غلطیوں کے اقرار سے کبھی نہیں شرماتے پھٹ بھٹیے ہی شرماتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

● ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بزرگوں میں اتنی شفقت ہوتی ہے کہ مخلوق کی اصلاح کی خاطر اجباراً اپنے معمولات میں بھی وہ تغیر و تبدل کر دیتے ہیں چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شفقت و اخلاق کی یہ حالت تھی کہ بعد نماز فجر لوگ گھیر لیتے تو آپ مجمع کی طرف رُخ کیے دیر دیر تک بیٹھے رہتے۔ یہاں تک کہ بعض دن تو اشراق اور اوراد و وظائف سب مؤخر ہو جاتے تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ میں چونکہ شانِ انتظام غالب تھی اس لیے جہاں کسی معمول کا وقت آیا بس کچھ کہے بغیر اٹھ کر چل دیے۔ کسی سے عذر و معذرت بھی تو نہیں کرتے تھے۔ عشاء کے بعد جب سونے کا وقت آ جاتا تو حاضرین سے بے تکلف فرما دیتے کہ جاؤ بھائی آرام کرو اب میں سوؤں گا۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھ کر جوش اٹھا اور خلافِ وقت حضرت کی خدمت میں جا پہنچا۔ حالانکہ دوسروں کی راحت کا خیال رکھنا میرا امر طبعی ہے لیکن اس وقت حضرت کچھ ایسے یاد آئے کہ میں خدمت میں حاضر ہو گیا اور حضرت کی تکلیف کا کچھ خیال ہی نہیں ہوا۔ اس وقت حضرت کے پاس کوئی نہیں تھا۔ حجرے میں تنہا لیٹے ہوئے تھے۔ اور سینے پر مثنوی شریف کھلی ہوئی رکھی تھی۔ میں نے سلام کیا تو فوراً اُٹھ بیٹھے۔ اور بڑی بشاشت سے پوچھا کہ اس وقت کیسے آئے۔ میں نے عرض کیا کہ معاف کیجیے اس وقت حضرت کا حرج ہوا اور خلوت میں فرق آیا۔ فرمایا نہیں نہیں کچھ حرج نہیں ہوا "خلوت از اغیار نہ از یار"۔ (خلوت غیروں سے ہوتی ہے دوستوں سے نہیں ہوتی) میں نے عرض کیا کہ اس وقت بے اختیار حاضری کو جی چاہا اس لیے بے وقت حاضر ہو گیا ——— طالبین پر حضرت کی بڑی شفقت تھی۔ اسی وجہ سے حضرت سے بہت نفع ہوا۔ حافظ شیرازیؒ نے ایسے ہی بزرگوں کے متعلق کہا ہے ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است
زانکہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

● فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت صوفیہ سے ہے، پھر فقہاء سے، پھر محدثین سے ——— یہ ترتیب تو محبت میں ہے۔ باقی عظمت، سو میرے قلب میں سب سے زیادہ عظمت علماء اور محدثین کی ہے بالخصوص فقہاء کی۔ اور محبت مجھے صوفیاء سے زیادہ ہے اُن کی طرف دل کی کشش علماء سے زیادہ ہے۔

● فرمایا کہ حضرت احمد بن حنبلؒ اتنے بڑے عالم اور امام تھے لیکن پھر بھی بشر حافیؒ کی خدمت میں جوتے تھے، جایا کرتے تھے کسی نے اعتراض بھی کیا کہ آپ عالم ہو کر غیر عالم کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ فرمایا ہم تو عالم ہیں کتاب کے اور وہ عالم ہیں صاحبِ کتاب کے۔

● ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اب پیر کا بھی اتنا ادب نہیں جتنا غیر متعلق بزرگوں کا پہلے تھا۔ اور آج (بعض) شیوخ کو وہ بات میسر نہیں جو پہلے دنیاداروں کو حاصل تھی۔

● ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ وعظ بڑی نافع چیز ہے اور یہ دین میں اس قدر اہم خدمت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا۔ درس تدریس وغیرہ۔ سب اسی کے مقدمے ہیں۔ اب آج کل علماء نے تو اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ اس لیے جاہلوں کے ہاتھ میں یہ کام چلا گیا اور انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا۔

بقیہ: مجالسِ ذکر

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ٹھیک ہو جائیں اور وہ کام کریں جن کے کرنے کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا ہے اور جن کے کرنے سے اللہ راضی ہو جاتے تو اس کے لیے یقیناً پہلے ہمیں غلط لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر ان سے قطع تعلق کر کے صرف اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے صحیح لوگوں کے ساتھ تعلق جوڑنا ہوگا۔ یہ صحیح لوگ وہی ہیں جو ہر حال میں اللہ پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں اور دولت، اقتدار، رشتہ داروں کارخانوں، ملوں، جاگیروں اور دنیا کی دوسری چیزوں کی حیثیت ان کی نظروں میں پر کاہ کے برابر بھی نہیں ان کے دلوں میں غیر اللہ کا گذر تک نہیں ہوتا اور وہ ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں کائنات کی ہر شے انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اولوالالباب (اہل بصیرت) اٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں اللہ کو یاد کر کے روتے رہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صرف اپنے سے مانگنے اور اپنا ہی ذکر کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بقیہ: طبی معلومات

نہیں کرتے تھے ——— بے شک اس میں طبیب حضرات کا بھی قصور ہے۔ کاش پاکستانی ڈاکٹروں میں ڈاکٹر سعید الظفر فیض جیسے وسیع النظر پیدا ہو سکے ——— بہر صورت اس دور میں ڈاکٹر سعید جیسے معالجین کا دم غنیمت ہے ؎

ہیں خرابات میں کچھ ایسے بھی بے ڈھنگ سے لوگ
طرزِ رندانہ رکھیں ——— بات حکیمانہ کہیں

بقیہ: علماء دیوبند

معلم و مدرس عالم اسلام میں دین کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔

مفسرین و محدثین میں مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا شمس الحق افغانی کے نام قابل ہیں۔ خطباء اربعہ۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا قاری محمد طیب صاحب اور ان کے علاوہ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری دین اسلام کی حفاظت میں اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں۔ مذہبی سیاسی جماعتوں میں جمعیۃ علماء ہند، مجلس احرار اسلام، جمعیۃ علماء اسلام، تنظیم اہلسنت والجماعت، مجلس تحفظ ختم نبوت دینی کاموں میں اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان کی صد سالہ اجمالی فہرست

۵۳۶ مشائخ، ۵۸۸۰ مدرسین ۱۱۶۴ مصنفین، ۱۷۸۴ مفتیان کرام، ۱۵۴۰ مناظر، ۴۸۴ صحافی، ۲۲۸۸ خطیب و مبلغ، ۸۹۳۶ دارالعلوم کے شاخیں مدارس عربیہ، ۳۸۸۰ طبیب۔

تفصیل کے لیے "علماء دیوبند یعنی تاریخ دیوبند اور ان کی خدمات" کی ساتویں جلد ملاحظہ فرمائیں۔

★

بقیہ: عربوں کے سینے میں اسرائیل کا خنجر

حکومت برطانیہ کو نہر سویز کے اکثریتی حصص خریدنے کے لیے قرضہ دیا جس کے عوض اسے ۱۸۷۴ء میں برطانیہ کا سب سے پہلا یہودی لارڈ بنا دیا گیا۔ نہر سویز کی ملکیت کے لیے یہودیوں نے حکومت برطانیہ پر جو احسان کیا تھا اسے کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی میں نازی حکومت قائم ہو گئی۔ مغربی مورخوں نے لکھا ہے کہ ہٹلر نے یورپ میں ۶۰ لاکھ یہودیوں کو مار ڈالا۔ امریکہ اور برطانیہ نے اس واقعہ کو مغالطے کی حد تک اچھالا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں یورپ میں یہودیوں کی کل آبادی بھی ساٹھ لاکھ نہیں تھی۔ برطانیہ اور امریکہ نے محض خود غرضی اور مسلم کش پالیسی کے تحت دنیا بھر میں یہودیوں کی بے گناہی اور ہٹلر کی سنگدلی کا ڈھنڈورا پیٹا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہٹلر نے لاکھوں یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا تھا تو یہ خود یہودیوں کی سازشوں اور جرمنی کے ساتھ غداری کی سزا تھی۔ لیکن ہٹلر کے جرم کی سزا فلسطینی عربوں کو دینے کا جواز کیا تھا؟

چنانچہ برطانیہ اور امریکہ کی شہ پر یورپ کے یہودی فلسطین پہنچنا شروع ہو گئے ان کی آمد کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ صرف چار سال (۱۹۳۳ء، ۳۴، ۳۵ء ۱۹۳۶ء) میں فلسطین میں یہودیوں کی آبادی دو لاکھ سے زائد ہو گئی۔ اب عربوں کا ماتھا ٹھنکا اور وہ مسلح مقاومت پر اتر آئے۔ اگرچہ فلسطین میں برطانوی فوج موجود تھی لیکن وہ عربوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ دی عرب نیوز میں لکھا ہے کہ عربوں کی مسلح مقاومت کے سبب ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیانی عرصہ میں ۶۹ برطانوی، ۹۲ یہودی، ۴۸۶ عرب شہری اور ۱۰۳۸ عرب مجاہدین ہلاک ہو گئے۔ صورت حال اس قدر نازک ہو گئی کہ برطانیہ کو فسادات کی تحقیقات کے لیے "رائل کمیشن" مقرر کرنا پڑا جس نے اپنی رپورٹ میں تجویز پیش کی کہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ عرب اس تجویز پر بہت پیچ پا ہوئے انہوں نے مطالبہ کیا کہ یہودیوں کا مطالبہ بند کیا جائے اور فلسطین کی تجویز مسترد کر کے مقامی باشندوں کو آزادی دی جائے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ دنیا پر دوسری جنگ عظیم کے بادل چھا رہے تھے۔ برطانوی حکومت کو ایک دفعہ پھر عربوں کے تعاون کی ضرورت پیش آنے لگی۔ چنانچہ اس نے پھر شاطرانہ چال چلی اور فلسطین کی تقسیم کی تجویز ملتوی کر دی گئی۔ اس طرح عربوں کے غم و غصہ کو ٹھنڈا کر دیا۔ جنگ عظیم ختم ہوئی تو ووڈ ہیڈ کمیشن قائم کر دیا گیا۔ جس نے برطانوی حکومت کی خواہش کے مطابق تقسیم فلسطین کی تجویز پیش کی۔ فلسطین کو تقسیم کرنے کا فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ یہ رائل کمیشن اور ووڈ ہیڈ کمیشن وغیرہ کی رپورٹیں ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے شائع کی گئی تھیں امریکہ کے صدر روزویلٹ نے سعودی عرب کے شاہ سعود سے یہودیوں کی سفارش کی۔ شاہ سعود نے کہا کہ اگر جرمنوں نے واقعی یہودیوں پر ظلم ڈھائے ہیں تو اس کی سزا میں جرمنی کا بہترین علاقہ رائن لینڈ یہودیوں کو دے دیا جائے۔ عربوں کا وطن ان سے کیوں چھینا جا رہا ہے"

برطانیہ اور امریکہ نے عربوں کی مزاحمت اور عالمی رائے عامہ کو ٹھکرا دیا اور اقوام متحدہ میں تقسیم فلسطین کی تجویز پیش کر دی۔ یہ عالمی ادارہ بھی برطانیہ، امریکہ اور روس کا آلہ کار تھا۔ چنانچہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو یہ تجویز منظور کر لی گئی۔ اخبار "ٹائمز" نے جو یہودیوں کا حاشیہ بردار ہے، ان دنوں اعتراف کیا کہ "اگر یہ تجویز نیویارک کی بجائے کسی اور شہر میں پیش کی جاتی تو کبھی منظور نہ ہوتی۔"

۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے فلسطین کا انتداب ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اقوام متحدہ نے بڑی طاقتوں کی سازش سے فلسطین میں امن فوج بھیجنے کا فیصلہ نہ کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہودیوں نے اپنی حکومت قائم کر لی اور برطانوی انتداب ختم ہونے کے چند گھنٹے پہلے اسرائیل کی آزاد مملکت کے قیام کا اعلان کر دیا اور امریکہ، روس اور برطانیہ نے فوراً اسے تسلیم کر لیا اور اس طرح عرب قوم تین بڑی طاقتوں کے دھوکوں میں الجھ کر اسرائیل کے خلاف اپنی جنگ ہار گئے۔

بقیہ: ابن ساباط

سے آشنا نہ تھا۔ ابن ساباط مکان کی طرف چلا رات کی طرح اس وقت بھی دروازہ کھلا تھا۔ یہ بے تامل اندر چلا گیا۔ سامنے وہی رات والا ایوان تھا یہ آہستہ آہستہ بڑھا اور دروازے کے اندر نگاہ ڈالی وہی رات والی چٹائی بچھی تھی۔ رات والا تکیہ ایک طرف دھرا تھا۔ تکیہ سے سہارا لگائے اجنبی بیٹھا تھا تیس چالیس آدمی سامنے تھے واقعی اجنبی تاجر نہیں تھا، شیخ جنید بغدادیؒ تھے۔

اتنے میں عشا کی اذان ہوئی۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب سب لوگ جا چکے تو شیخؒ بھی اٹھے جونہی انہوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا ایک شخص بے تابانہ بڑھا اور قدموں پر گر گیا یہ ابن ساباط تھا اس کے دل میں سمندر کا تلاطم بپا تھا۔ آنکھوں میں جو کبھی تر نہیں ہوئی تھیں دجلہ کی سوتیں بھر گئی تھیں آنسوؤں کا سیلاب آ جائے تو پھر کون سی کثافت ہے جو باقی رہ سکتی ہے۔ شیخ نے شفقت سے اس کا سر اٹھایا یہ کھڑا ہو گیا مگر زبان نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔؟

"جب نگاہوں کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت نہیں رہتی۔" اس واقعہ پر کچھ عرصہ گزر چکا ہے۔ شیخ احمد ابن ساباط کا شمار سید الطائفہ کے حلقہ ارادت کے ان فقراء میں ہے جو سب میں پیش پیش ہیں۔

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ ابن ساباط نے وہ راہ لمحوں میں طے کر لی جو دوسرے برسوں میں نہیں کر سکتے۔

بقیہ: مودودیت کے متعلق ایک خط کا جواب

تو میں نے کانفرنس میں یہ مطالبہ کیا کہ موجودہ آئین میں ترمیم کر کے اس میں علماء کے ۲۲ نکات شامل کئے جائیں۔ میرے اس مطالبہ سے مولانا مودودی نے اختلاف پیش کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ فی الحال اس مطالبے کو ملتوی رکھا جائے اور نئی اسمبلی کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔ الخ

علاوہ ازیں اخبار جہاں کراچی کے حوالے سے مولانا مفتی محمود صاحب کا جو انٹرویو شائع ہوا تھا اس میں یہ لکھا ہے کہ:- مفتی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ:- مودودی صاحب سے لوگوں نے دریافت کیا تھا کہ مفتی صاحب نے جب گول میز کانفرنس میں اسلامی نظام کا نام لیا تھا تو آپ نے اس کی حمایت کیوں نہیں کی تھی۔ تو مودودی صاحب نے انہیں جواب لکھا تھا کہ:- مفتی صاحب کا موقف تدبر کے لحاظ سے بھی غلط تھا اور اصولاً بھی غلط تھا اس لیے میں اس کی تائید کیونکر کر سکتا۔ الخ

تو جب حضرت مفتی صاحب موصوف پہلے یہ تجربہ کر چکے ہیں کہ مودودی صاحب اسلام کے بارے میں ہی مخلص نہیں۔ تو جمہوریت اور سیاست میں وہ کیونکر مخلص ہو سکتے ہیں۔

(ج) متحدہ محاذ کی حالیہ سول نافرمانی کی تحریک میں بھی مودودی جماعت نے وہی سابقہ کردار ادا کیا ہے چنانچہ متحدہ محاذ کے مناصب اور عہدوں کے لینے میں تو پیش پیش رہے اور محاذ کی دوسری پارٹیوں نے بھی ان کی خصوصی رعایت کی متحدہ محاذ مغربی پاکستان کا جنرل سیکرٹری بھی ان کے پروفیسر غفور احمد صاحب کو بنایا گیا اور تین صوبوں میں قیادت بھی ان ہی کے سپرد کی لیکن جب گرفتاریوں کا وقت آیا تو مودودی صاحب کی جماعت نے سول نافرمانی کی تحریک سے بھی لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ اور جب رمضان المبارک سے کچھ پہلے یہ تحریک تقریباً ختم ہو گئی تو انہوں نے مرکزی شوریٰ کا اجلاس بلایا اور اس میں تحریک سول نافرمانی کے بارے میں یہ قرارداد پاس کی کہ:-

"مجلس شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان متحدہ جمہوری محاذ میں اپنے نمائندوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ متحدہ جمہوری محاذ میں شامل جماعتوں پر یہ واضح کر دیں کہ جماعت مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے بغیر نہ کسی سول نافرمانی کی تحریک میں شامل ہو گی اور نہ کوئی ایسا راستہ اختیار کرے گی جس سے معاملات درست ہونے کی بجائے اور بگڑنے کا اندیشہ ہو۔ جماعت آئینی ذرائع کے مطابق سیاسی جدوجہد کرنے پر یقین رکھتی ہے اور اسی میں اس ملک و قوم کی بھلائی سمجھتی ہے اور محاذ کا بھی فیصلہ یہی ہے جیسا کہ اس کی ۱۵ مئی ۱۹۷۳ء کی قرارداد میں صاف طور پر مذکور ہے اگر محاذ میں شامل دوسری کوئی جماعت یا بعض جماعتیں کسی معاملے میں از خود کوئی فیصلہ کر کے کوئی کارروائی کریں گی تو اس کی ذمہ داری انہی پر عاید ہو گی۔ محاذ پر ذمہ داری ان فیصلوں کی ہو گی جو محاذ کے ضابطہ کار کے مطابق تمام جماعتوں نے متفقہ طور پر کیے ہوں۔"

(ہفت روزہ آئین لاہور ۲۰ ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۱۵ قرارداد نمبر ۲)

یہ ہے مودودی جماعت کی جمہوری محاذ سے وفاداری اور جانثاری کی داستان۔ محاذ کے عہدے اور مناصب لینے میں آگے آگے اور قربانی کے وقت پیچھے بھی نہیں بلکہ بالکل علیحدہ! لیکن تعجب ہے کہ جمہوری محاذ کی دوسری پارٹیوں نے مودودی جماعت کا کوئی محاسبہ نہیں کیا نہ ہی اس کو محاذ سے خارج کیا اور نہ ان کی مذکورہ قرارداد کا کوئی تسلی بخش جواب دیا۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ دین ہو یا ملکی سیاست۔ کیا مودودی جماعت قابل اعتماد ہو سکتی ہے ——— والسلام

الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ خطیب مدنی جامع مسجد چکوال

دعائے صحت

میری ممانی صاحبہ چند یوم سے علیل ہیں اور ہسپتال میں زیر علاج ہیں ان کی آنکھ کا اپریشن بھی ہوا ہے۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے۔ (حاجی بشیر احمد)

خصوصی ملاقات

ایلوپیتھی، طبِ مشرق کی تلاش میں!

● ڈاکٹر سعید فیض ● شیخ التفسیرؒ، امیر شریعتؒ اور قاضی احسان احمدؒ ● حکیم صابر ملتانیؒ
● حکیم اجمل خاں ● عجیب واقعہ ● استقرارِ حمل کا نسخہ

استاذ الحکماء حکیم آزاد شیرازی (سابق پرنسپل طبیہ کالج) مدیر تذکرہ، لاہور

جمعرات یکم نومبر کی دوپہر راقم الحروف ببلاب ڈرگان کی طبی امداد کے بعد شاہدرہ ٹاؤن سے واپسی پر "خدام الدین" کے دفتر میں بیٹھا تھا کہ ایک باریش اجنبی نوجوان تشریف لائے۔ شلوار کرتے کے سادہ لباس میں تھے۔ ہاتھ میں ایک خوبصورت بیگ تھا۔ حسن اتفاق کہ موصوف نے سب سے پہلے راقم الحروف ہی سے مصافحہ فرمایا۔ اور بیٹھنے کے ساتھ ہی دریافت فرمایا کہ مجھے حکیم آزاد شیرازی صاحب سے ملنا ہے کیا وہ مل سکیں گے؟ میں نے سوچا یہ لطیفہ بھی خوب رہا اور گزارش کی کہ آپ حکیم آزاد شیرازی سے تو مل چکے ہیں۔ چائے پلانے کے بعد میں انہیں غریب خانہ تک لے گیا۔ اور ان کی تشریف آوری کا مقصد دریافت کیا۔

موصوف کا اسم گرامی ڈاکٹر سعید الظفر فیض ایم۔ بی۔ بی۔ ایس تھا۔ وہ کیمبرج اور یورپ کی دوسری یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل تھے۔ گزشتہ کئی سال سے اردن کے دارالحکومت عمان میں بطور ڈاکٹر ملازم ہیں۔ اور سات برس بعد رخصت پر پاکستان آئے ہیں۔

ڈاکٹر سعید کا شہرِ ولادت دہلی ہے۔ کچھ برس گزرے گھیمر کے مشہور ہولناک ریلوے حادثہ میں ان کے تمام اہل خاندان شہید ہو گئے اور اب وہ اس دنیا میں یکہ و تنہا ہیں ——— گزشتہ پندرہ برس تک مغربی ممالک میں رہنے کے باوجود اُن کا سراپا مشرقی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ اپنے مذہبی رجحانات کے باعث وہ ہفت روزہ خدام الدین کا مستقل مطالعہ فرماتے ہیں اور خدام الدین میں میرے طبی مضامین خصوصاً تپ چھلے کے بارے میں میرے مسلسل مقالے سے متاثر ہو کر میری تلاش میں کراچی سے لاہور تشریف لائے تھے۔ وہ ایک کامیاب ایلوپیتھ معالج ہیں۔ اور امریکہ اور یورپ کے جدید سائنسی انکشافات سے کماحقہٗ واقفیت رکھتے ہیں لیکن ایک صحیح معالج کی حیثیت میں وہ ایلوپیتھی طریق علاج کی بعض خامیوں، کوتاہیوں اور ناکامیوں کے باعث طبِ مشرق کے مطالعہ کا جنون کی حد تک شوق رکھتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ انہوں نے ڈاکٹری کے غرور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس ہیچمدان کے غریب خانہ تک تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

تین گھنٹے کی اس نشست میں انہوں نے ایلوپیتھی، طب یونانی، سیاست، شعروادب، مذہب، نفسیات اور روحانیت کے بارے میں نہایت معلومات افزا گفتگو فرمائی۔ نیز پاکستان کے علماء دین کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امیر شریعت سید سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم و مغفور کی شخصیتوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ موصوف نے بتایا کہ انہیں جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ سے شرفِ نیاز کا اب تک موقع نہیں ملا۔ میں نے گزارش کی کہ انشاء اللہ آپ حضرت صاحب سے مل کر یقیناً ایک روحانی مسرت محسوس کریں گے اور ان کی خوش خلقی اور نرم گفتاری کے گرویدہ ہو جائیں گے اور روحانیت کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو شکوک و شبہات ہیں۔ وہ بھی رفع ہو جائیں گے۔

موصوف نے اپنے بعض زیر علاج مریضوں کے علاج کے سلسلے میں راقم الحروف سے مشورے بھی فرمائے۔ اور طبِ مشرق کے بارے میں راقم الحروف سے معلومات حاصل کر کے تعجب اور مسرت کا اظہار بھی فرمایا۔ میں نے موصوف کی خدمت میں طب جدید مشرقی کی "کلیات طب جدید" بھی پیش کی اور حکیم انقلاب صابر ملتانی مرحوم کے نظریۂ مفرد اعضاء، ایلوپیتھی کے بارے میں مرحوم کی تالیفات، ٹی بی کے متعلق مرحوم کے ہلدی اور شیر مدار والے نسخے بھی بیان کیے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے کسی بزرگ کے حوالے سے بتایا کہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم کے پاس دمہ کا ایک تیر بہدف نسخہ تھا جو انہوں نے کسی کو نہیں بتایا اور اپنے سینے ہی میں لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو یقین دلایا کہ حکیم اجمل خاں کی ذات ستودہ صفات پر یہ محض تہمت، افترا اور بہتان ہے۔ طبیبوں کے بارے میں بخل کی تہمت بھی طبِ مشرق کے دشمنوں کی پروپیگنڈا مہم کا ایک حصہ ہے۔ ہر طبیب کے پاس یقیناً بعض نہایت نادر روزگار نسخے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ انہیں اپنے سینے میں لے کر دنیا سے رخصت نہیں ہوتے بلکہ اپنے کسی نہ کسی عزیز کو ضرور بتا کر جاتے ہیں۔ البتہ کسی نااہل کو یہ نسخے نہیں بتائے جاتے۔ راقم الحروف نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ان کی خواہش کے مطابق استقرار حمل کا ایک نادر و نایاب نسخہ بلاحیل و حجت پیش کر کے بخل شکنی کا عملی ثبوت بھی فراہم کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اردن میں اپنی معالجاتی زندگی کا ایک عجیب واقعہ بھی سنایا کہ ایک صاحب کی بیوی شیر خوار بچے کو چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ اور اس کے بعد بچے کے باپ نے اس بچے کو متواتر تین سال تک اپنے پستانوں سے دودھ پلایا۔ اور جب بچے نے دودھ چھوڑا تو دو ہفتے بعد اس کے باپ کی چھاتی دوبارہ مردوں کی سی حالت پر لوٹ گئی۔ ڈاکٹر صاحب یہ واقعہ بیان کر کے اس کی طبی توجیہہ چاہتے تھے۔ میں نے گزارش کی کہ یہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے۔ اور اس کی طبی توجیہہ صرف یہ ہے کہ ماں کے مرنے کے بعد جب بچے نے دودھ کے لیے رونا شروع کیا تو اس کے باپ نے بچے کو بہلانے کی خاطر اپنے پستان اس کے منہ میں دے دیے۔ اور اس طرح یہ شفقتِ پدری محبت مادری میں تبدیل ہو گئی ——— اس قسم کے واقعات لوگوں کو قدرتِ خداوندی کے مشاہدہ کی خاطر بھی پیش آتے ہیں۔ اور اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے ماں باپ کے بغیر، حضرت حواؑ کے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کے بغیر، حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہونے کے واقعات کی تصدیق اور ثبوت مہیا ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر سعید الظفر فیض صاحب سے گفتگو کا یہ سلسلہ اتنا طویل ہوا کہ مجھے اس روز شام ہمدرد کی تقریب میں شرکت بھی منسوخ کرنا پڑی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے یہ بظاہر طویل ملاقات بھی نہایت مختصر معلوم ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ ان کے اور پاکستان کے دوسرے (الا ماشاء اللہ) ایلوپیتھ ڈاکٹروں کے درمیان ایک بعد المشرقین ہے۔ ہمارے یہاں کے ایلوپیتھ معالجین کو طبِ مشرق کے نام سے عموماً خدا واسطے کا بیر ہے اور وہ یونانی طبیبوں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ورنہ آج سے نصف صدی پیشتر تک کے انگریز سول سرجن اور نہایت چوٹی کے ایلوپیتھ ڈاکٹر بھی اپنے بعض مریضوں کے علاج کے سلسلے میں ناکامی کی صورت میں طبیب حضرات کے مطب پر حاضر ہوتے ہیں عار محسوس

(باقی ص ۱۳ پر)

ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۴۵ رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷